لَا نَبِیَّ بَعْدِی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

ختمِ نبوّت اور تحریکِ "احمدیت"

بشمول

مُقدّمہ مرزائیہ بہاولپور ۱۹۳۵ء

کا

عدالتی فیصلہ

پرویز

طلوعِ اسلام ٹرسٹ ۲۵۔بی گلبرگ ۲ لاہور-۵۴۶۶۰

کتاب ------ ختم نبوت اور تحریک "احمدیت"

مصنف ------ پرویز

ایڈیشن ------ ہفتم' مارچ 2000ء

ناشر ------ طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

25-B گلبرگ II' لاہور 54660

فون: 5753666, 5764484

Email: trust@toluislam.com

Web: www.toluislam.com

طلوع اسلام ٹرسٹ کی کتب سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مشمولات

باسمہٖ تعالیٰ

پیش لفظ

(طبع اول)

اس کتاب کا مسوّدہ اپریل ۱۹۷۴ء میں مکمل ہو گیا تھا اور ارادہ تھا کہ اسے نہایت عمدگی اور خوبصورتی سے طبع کرایا جائے۔ لیکن مئی میں ربوہ اسٹیشن کا جو ہنگامہ برپا ہوا تو احباب کی طرف سے تقاضے موصول ہونے لگے کہ اسے جلد از جلد شائع کیا جائے۔ چنانچہ نہایت عجلت سے اس کی کتابت کرا کر جون کے آخر میں کاپیاں پریس میں بھیج دی گئیں کہ اتنے میں "احمدیوں" کے خلاف لٹریچر شائع کرنے پر حکومت کی طرف سے پابندیاں عائد کر دی گئیں اور اس کی طباعت روک دینی پڑی۔ ۷ ستمبر کو حکومت نے "احمدیوں" کی دونوں جماعتوں (قادیانیوں اور لاہوریوں) کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا لیکن مذکورہ صدر پابندیاں بدستور عائد رہیں۔ اب وہ پابندیاں اٹھی ہیں تو اسے شائع کیا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران آپ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھیں کہ یہ ۷ ستمبر کے فیصلہ سے پہلے کی تحریر شدہ ہے۔ آپ اس کے مطالعہ کے بعد یقیناً ہم سے متفق ہوں گے کہ ۷ ستمبر کے فیصلہ کے بعد بھی اس کی اہمیت بدستور باقی ہے۔

۲۔ اس کتاب میں آپ کو بعض امور ہمارے ہاں کے مروّجہ نظریات سے مختلف ملیں گے۔ مثلاً نزولِ عیسیٰؑ، آمدِ مہدی اور مجدد، امکانِ کشف و الہام وغیرہ۔ اس ضمن میں اس بنیادی نکتہ کو ملحوظ رکھئے کہ دین سے متعلق جملہ معتقدات و نظریات کے سلسلہ میں پرویز صاحب کا مسلک یہ ہے کہ انہیں قرآنِ مجید کی روشنی میں پرکھا جائے، جو اس کے مطابق ہو اسے صحیح قرار دیا جائے۔ جو خلاف ہو اسے مسترد کر دیا جائے۔ اپنے اسی مسلک کی روشنی میں انہوں نے ان نظریات کو بھی پرکھا ہے۔ اگر آپ ان کے اس مسلک سے متفق نہیں،

آپ کو اپنے معیار کے مطابق ردّ و قبول کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ وہ اس بات میں کسی سے بحث میں اُلجھنا پسند نہیں کرتے (یوں بھی ان کی قرآنی بصیرت کی رُو سے) ان معتقدات اور نظریات کا دین کی اساسات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے یہ کفر اور اسلام کا معیار نہیں قرار پا سکتے۔ البتہ مسئلہ ختمِ نبوت سے ان کا بڑا گہرا تعلق ہے۔

۲۔ ہمارے خیال کے مطابق، یہ اپنے انداز کی منفرد کتاب ہے۔ جسے (مسلمان تو ایک طرف) اگر "احمدی" حضرات بھی خالی الذہن ہو کر پڑھیں گے تو بہت مفید پائیں گے۔ اس مسئلہ پر اس سے پہلے اس انداز سے کہیں بحث نہیں کی گئی۔ مستند، مدلّل، مسکت، اور اس کے ساتھ ہی شگفتہ، سنجیدہ اور جذبات سے یکسر الگ ہٹ کر۔ اللہ تعالیٰ مصنّف کی، اس عمر بھر کی محنت کو ثمرِ قبولیت سے باریاب فرمائے۔

والسّلام

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
۲۵۔ بی، گلبرگ ۲۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

پس منظر

آغازِ سُخن

جولائی ۱۹۷۳ء کی بات ہے (ہفتہ وار) "چٹان" (لاہور) کے نمائندہ نے میرا ایک انٹرویو لیا جو اُس اخبار میں بھی چھپا اور بعد ازاں "طلوعِ اسلام" بابت اگست ۱۹۷۳ء میں بھی شائع ہوا۔ اس انٹرویو کے ایک سوال کے جواب میں، میں نے اپنے کوائفِ زندگی بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

> میری پیدائش مشرقی پنجاب کے قصبہ بٹالہ (ضلع گورداسپور) میں ہوئی۔ بٹالہ ایک مذہبی شہر تھا اس لئے (اس دور کی عام فضا کے مطابق) وہاں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے علاوہ، آریوں، عیسائیوں اور قادیانیوں سے اکثر مناظرے رہا کرتے تھے۔ اس طرح مجھے فرقوں اور مذہبوں کے تقابلی مطالعہ کا موقعہ مل گیا۔ بعد میں مختلف فرقوں کے باہمی مباحثوں یا آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظروں کا دور تو ختم ہو گیا، لیکن ختمِ نبوت کے موضوع پر میں مسلسل لکھتا چلا آ رہا ہوں، کیونکہ میرے نزدیک انکارِ ختمِ نبوت کا فتنہ امت کے لئے بڑا خطرناک ہے۔ چونکہ میں اس مسئلہ پر قرآنِ خالص کی روشنی میں گفتگو کرتا ہوں، روایات میں نہیں الجھتا۔ اس لئے فریقِ مقابل کے پاس میرے دلائل کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔

چونکہ مسئلہ ختمِ نبوت نے ان دنوں ملک میں پھر خاص اہمیت اختیار کر لی تھی۔ بالخصوص اس مطالبہ

کے پیشِ نظر کہ "مرزائیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، اس لئے (اقتباسِ بالا کے خط کشیدہ الفاظ سے متأثر شدہ احباب کی طرف سے) ملک کے مختلف گوشوں سے تقاضے موصول ہونے لگے کہ میں اس اہم مسئلہ پر جامع طور پر لکھوں تاکہ ذہنوں میں اُبھرنے والے مختلف سوالات ایک ہی دفعہ اطمینان بخش انداز سے حل ہو جائیں۔ ان تقاضوں کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ حضور نبی اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کے متعلق میری تصنیف "معراجِ انسانیت" کے پہلے ایڈیشن کے آخری باب میں* میں نے مسئلہ ختمِ نبوت پر مختصراً لکھا تھا لیکن جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا، تو اس باب میں سے وہ حصہ نکال دیا گیا جس کا تعلق "قادیانیت" سے تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ "یہ موضوع ایک مستقل تصنیف کا متقاضی ہے"۔ تقاضا کرنے والے احباب نے میری توجہ اس طرف بھی منعطف کرائی۔ اس سلسلہ میں ایک خاص بات یہ بھی سامنے آئی کہ بعض "احمدی" حضرات کی طرف سے بھی یہ مطالبہ ہوا کہ مجھے اس موضوع پر تفصیل سے لکھنا چاہیئے۔ تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ قرآن کریم کی روشنی میں اس مسئلہ کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے۔ ان میں سے بعض خطوط میں مجھے جذبۂ تلاشِ حق کی جھلک محسوس ہوئی۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ عام طور پر "احمدی" حضرات کا قرآن کریم کا مبلغ علم ان چند آیات اور ان کے مخصوص مفہوم تک محدود ہوتا ہے جنہیں بحث و مباحثہ کے لئے انہیں یاد کرا دیا جاتا ہے۔ اس لئے جب یہ کہا جائے کہ "قرآنِ خالص کی روشنی میں گفتگو کی جائے تو فریقِ مقابل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا"۔ تو ان کا جذبۂ تجسس قابلِ فہم ہو سکتا ہے۔

ان مطالبات کے علاوہ قرآن کریم کی روشنی میں اس مسئلہ پر گفتگو کی اہمیت کی ایک اور وجہ بھی میرے پیشِ نظر تھی۔

مقدمۂ بہاولپور

۱۹۲۶ء کا ذکر ہے، ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں ایک مسلمان خاتون نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے قادیانی مسلک اختیار کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس لئے اس شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔ اس مقدمہ نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی اور مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس لئے نہیں کہ اس میں فریقین کی حیثیت بڑی ممتاز تھی۔ وہ تو بالکل غیر معروف تھے۔ یہ اس لئے کہ ہندوستان میں (غالباً) یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس میں فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ ایک

---

* معراجِ انسانیت کا پہلا ایڈیشن 1949 میں شائع ہوا تھا۔ طلوعِ اسلام ٹرسٹ

شخص قادیانی مسلک اختیار کرنے کے بعد مسلمان رہتا ہے یا نہیں۔ اس اعتبار سے یہ مقدمہ متعلقہ فریقین کا مابہ النزاع معاملہ نہ رہا بلکہ قادیانیوں اور غیر قادیانیوں کے مابین ایک دینی سوال بن گیا جس کا عدالتی فیصلہ (ظاہر ہے کہ) بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیر سماعت رہا اور آخرالامر محمد اکبر صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) ۷، فروری ۱۹۳۵ء کو اس کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ اپنی شہرت اور اہمیت کے پیش نظر اس زمانے میں بھی الگ چھپ گیا تھا اور اس کے بعد بھی چھپتا رہا۔ اس وقت میرے سامنے اس کا وہ نسخہ ہے جو حال ہی (جون ۱۹۷۳ء) میں "محفل ارشادیہ، سیالکوٹ" کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ اس فیصلہ کے صفحہ ۵۳ پر بتایا گیا ہے کہ مدعیہ کی طرف سے بڑے بڑے جید علماء کرام بطور گواہ پیش ہوئے۔ مثلاً مولانا غلام محمد صاحب، شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور، مولانا نجم الدین صاحب، پروفیسر اورینٹل کالج لاہور، مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری اور مولانا سید انور شاہ صاحب، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند وغیرہم۔ اس سے اس مسئلہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اس مسئلہ کا سارا دارومدار اس بات پر تھا کہ نبوت کی حقیقت کیا ہے، اور نبی کسے کہتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ

> موجودہ زمانے میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی ناآشنا ہیں۔ اس لئے بھی ان کے دلوں میں یہ مسئلہ گھر نہیں کر سکتا کہ مرزا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوتی ہے کہ جس پر اس قدر چیخ و پکار کی جا رہی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کی کچھ تھوڑی سی حقیقت بیان کر دی جائے۔ مدعیہ کی طرف سے نبی کی کوئی تعریف بیان نہیں کی گئی۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ نبوت ایک عہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے برگزیدہ بندوں کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔ اور نبی اور رسول میں فرق بیان کیا گیا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور نبی کے لئے لازمی نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔ فریق ثانی نے (بحوالہ نبراس ص۸۹) بیان کیا ہے کہ رسول ایک انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ احکام شریعت کی تبلیغ کے لئے بھیجتا ہے بخلاف نبی کے وہ عام ہے۔ کتاب لائے یا نہ لائے۔ رسول کے لئے کتاب لانا شرط ہے۔ اسی طرح رسول کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحب کتاب ہو یا سابقہ شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کر دے۔ (فیصلہ ص۱۰۶)

اس کے بعد فاضل جج نے لکھا۔

یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی نہ تھیں اس لئے میں اس جستجو میں رہا کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف مل جائے جو تصریحات قرآن کی رُو سے تمام لوازم نبوت پر حاوی ہو۔ (صٖ ۱۰۰)

اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ انہوں نے اس باب میں کافی جستجو کی لیکن نبی کی کوئی جامع تعریف انہیں نہ مل سکی۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بہ عنوان "میکانکی اسلام" از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آجکل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا اس لئے میں ان کے الفاظ میں ہی اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ (صٖ ۱۰۰)

ازاں بعد انہوں نے میرے اُس مضمون سے خاصا مفصل اقتباس درج کیا اور نبی کی جو تعریف میں نے پیش کی تھی اس پر مبنی بحث کے بعد اپنے فیصلہ میں کہا کہ

مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔ (صٖ ۱۸۲)

مذکورہ بالا فیصلہ میں فاضل جج نے لکھا ہے کہ ان کی عدالت میں (غیر منقسم) ہندوستان کے بڑے بڑے جید علماء حضرات پیش ہوئے جن میں سے ایک ایک کا بیان سینکڑوں صفحات پر مشتمل تھا لیکن وہ حقیقتِ نبوت کے متعلق ان میں سے کسی کے بیان سے بھی مطمئن نہ ہو سکے۔ وہ مطمئن ہوئے تو میرے ایک ایسے مضمون سے جو اس مقدمہ سے بالکل الگ آزادانہ لکھا گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ میرے مضمون کی وہ کونسی خصوصیت تھی جس کی بنا پر وہ اس قدر اطمینان بخش ثابت ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جہاں تک متداول علوم شرعیہ (فقہ، حدیث وغیرہ) کا تعلق ہے ان علماء کرام کا مقام بہت بلند تھا جو اس عدالت میں پیش ہوئے تھے لیکن میرے مضمون کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی بنیاد خالص قرآنی حقائق پر تھی۔ میں اس میں فقہ اور

روایات پر مبنی بحثوں میں الجھا ہی نہیں تھا۔ ختمِ نبوت کا مسئلہ جو قادیانی اور غیر قادیانی حضرات میں، ساٹھ ستر برس سے مسلسل بحث و نظر کا موضوع بنے چلا آ رہا ہے، اور بھنور میں پھنسی ہوئی لکڑی کی طرح ایک ہی مقام پر مصروفِ گردش ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس بحث کا مدار روایات پر ہوتا ہے اور روایات کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے مجموعوں میں، مخالف اور موافق ہر ایک کو اپنے اپنے مطلب کے مطابق روایات مل جاتی ہیں نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ بحث اصل موضوع سے ہٹ کر فریقین کی طرف سے پیش کردہ حدیثوں کے صحیح یا ضعیف ہونے پر مرکوز ہو جاتی ہے اور یوں محمل لیلیٰ، غبارِ ناقہ لیلیٰ میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن جو کچھ پیش کرتا ہے حتمی، یقینی اور دو ٹوک پیش کرتا ہے۔ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی مسئلہ کے متعلق اس میں فریقین کو اپنے اپنے مطلب کے مطابق اختلافی آیات مل جائیں۔ یہ وجہ ہے کہ میں روایات میں نہیں الجھتا۔ میں جو کچھ پیش کرتا ہوں اس کی اساس قرآنی دلائل پر ہوتی ہے۔ اور فریقِ مقابل سے بھی قرآنی سند کا مطالبہ کرتا ہوں۔ نتیجہ یہ کہ بات بالکل نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

احادیث کی پوزیشن

حدیث کی تاریخ اور صحیح پوزیشن کے متعلق، میں مختلف مقامات پر بڑی شرح و بسط سے لکھتا چلا آ رہا ہوں (میری حال میں شائع شدہ تازہ تصنیف "شاہکارِ رسالت" کے آخری باب میں، اس تفصیل کا ملخص بڑے جامع و مانع انداز سے دیا گیا ہے) یہ حقیقت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے یا مرتب کرا کر، اپنی تصدیق کے ساتھ اُمت کو نہیں دیا۔ حضورؐ کی وفات کے دو اڑھائی سو سال بعد، بعض حضرات نے انفرادی طور پر، ان اقوال کو جمع اور مرتب کیا جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اس طرح احادیث کے مختلف مجموعے وجود میں آئے۔ ان مجموعوں میں جو روایات درج ہیں ان میں صحیح بھی ہیں اور غلط بھی۔ یہ جو ہمارے ہاں مختلف فرقوں میں باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں تو ان کی وجہ یہ ہے کہ ایک فرقہ ایک حدیث کو صحیح قرار دے کر اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور دوسرا فرقہ اسے غلط (ضعیف و وضعی) قرار دے کر اس کے خلاف کسی دوسری روایت پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بات کسی حدیث تک پہنچے گی تو سب سے پہلے یہ سوال سامنے آئے گا کہ آیا وہ حدیث قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے بھی یا نہیں۔ چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، اپنے فریقِ مخالف کے ساتھ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ کی طرف منسوب ہو، اس کی نسبت کا صحیح اور غلط ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے۔ آپ (یعنی مودودی صاحب کے فریق مقابل) کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسولؐ مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔　　(رسائل و مسائل، حصہ اول، ص ۲۹)

لہٰذا، جب فیصلہ کا مدار حدیث پر رکھا جائے گا تو سب سے پہلے یہ سوال سامنے آئے گا کہ وہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں۔ ایک فریق اسے صحیح قرار دے گا اور دوسرا فریق غلط۔ اور اس کے خلاف اپنی طرف سے پیش کردہ حدیث کو صحیح۔ اس باب میں دیکھئے کہ مرزا غلام احمد صاحب کا موقف کیا تھا۔ قادیانی حضرات کے خلیفہ ثانی (مرزا محمود احمد صاحب) کا ارشاد ہے۔

حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا صاحب) فرمایا کرتے تھے کہ حدیثوں کی کتابوں کی مثال تو مداری کے پٹارے کی ہے۔ جس طرح مداری جو چاہتا ہے اس میں سے نکال لیتا ہے۔ اسی طرح ان سے جو چاہو، نکال لو۔　　(خطبہ جمعہ، مندرجہ اخبار الفضل)
مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۲۴ء

خود مرزا صاحب نے لکھا ہے۔

اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہے، اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے، خدا سے علم پا کر قبول کرلے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔
(تحفہ گولڑویہ ص ۱۰)

اس "رد و قبول" کا معیار کیا ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

میرے اس دعویٰ کی بنیاد حدیث نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔
(اعجاز احمدی ص ۳۰)

لہٰذا احادیث کی صحت و سقم کے متعلق مرزا صاحب کا معیار یہ ہے کہ جو حدیث ان کی وحی کے مطابق ہے

وہ صحیح ہے، جو اس کے خلاف ہے وہ ردی کی طرح پھینک دینے کے قابل۔ دوسری طرف مودودی صاحب کا معیار بھی ایسا ہی ہے۔ مرزا صاحب اپنی وحی کو معیار قرار دیتے ہیں۔ مودودی صاحب[1] "مزاج شناسِ رسول کی نگہ بصیرت" کو معیار ٹھہراتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ حدیث کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ وہی شخص کر سکتا ہے۔

> جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے حدیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو۔ کثرتِ مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے..... اس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے...... اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد وہ اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند، مطعون فیہ، حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی نظر پتھر کے اندر ہیرے کی جوت کو دیکھ لیتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل، غیر شاذ، متصل السند، مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس جامِ زریں میں جو بادہ معنی بھری ہوتی ہے وہ اسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبویؐ کے مناسب نظر نہیں آتی۔ (تفہیمات، حصہ اول صفحہ ۲۰۲۔ صفحہ ۳۲۴)

حتیٰ کہ وہ یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ:۔

> جن مسائل میں اس کو (مزاج شناسِ رسول کو) قرآن وسنت سے کوئی چیز نہیں ملتی، ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ (ایضاً صفحہ ۳۲۴)

آپ دیکھتے ہیں کہ ان دونوں (مرزا صاحب اور مودودی صاحب) کا معیار انفرادی اور موضوعی (SUBJECTIVE) ہے جس کے پرکھنے کا کوئی خارجی معیار نہیں ہو سکتا۔ چونکہ مودودی صاحب کا معیار وہی ہے جسے مرزا صاحب نے پیش کیا تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ مودودی صاحب اسے "مزاج شناس رسولؐ کی نگہ بصیرت" قرار دیتے ہیں۔

---

[1] ہم نے مودودی صاحب کا حوالہ بالخصوص اس لئے دیا ہے کہ ان مباحث پر ہمارے زمانے میں سب سے زیادہ (کثرت کے ساتھ) وہی لکھتے ہیں۔

اور مرزا صاحب اسے "خدا سے پایا ہوا علم" کہتے ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کی طرح ان کی بھی سخت مخالفت ہوتی ہے۔ اس باب میں جماعت اہلِ حدیث کے سابق صدر، مولانا اسمٰعیل (مرحوم) اپنے کتابچہ "جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث" میں لکھتے ہیں:۔

> اگر ایک جماعت اپنی عقیدت مندی سے کسی اپنے بزرگ یا قائد کو خدا کا مزاج شناس سمجھ لے یا رسولؐ کا مزاج شناس تصور کرلے۔ پھر اسے اختیار دے دے کہ اصولِ محدثین کے خلاف جس حدیث کو چاہے قبول کرلے اور جسے چاہے رد کردے...... تو یہ مضحکہ انگیز پوزیشن ہمیں یقیناً ناگوار ہے۔ ہم انشاء اللہ آخری حد تک اس کی مزاحمت کریں گے اور سنتِ رسول کو ان ہوائی حملوں سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ (ص ۹۳)

ان حالات میں آپ سوچئے کہ اگر کسی مسئلہ کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار حدیث کو قرار دیا جائے تو اس مسئلہ تک پہنچنے سے پہلے فریقین کی پیش کردہ احادیث کے صحیح یا غلط ہونے کی بحث چھڑ جائے گی۔ اور یہ بحث ایسی ہے کہ اس کا فیصلہ ہزار برس سے ہو نہیں پایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ختمِ نبوت جیسا اہم سوال جو دین کی بنیاد اور اسلام کا مرکزی ستون ہے ساٹھ ستر برس سے بحث و جدل کی آماجگاہ بنے چلا آرہا ہے اور ہمارے عوام (جن میں وہ تعلیم یافتہ حضرات بھی شامل ہیں جنہیں دین کا براہِ راست علم نہیں) حیران، و پریشان ہیں کہ کسے سچا سمجھیں اور کسے جھوٹا۔

احادیث کے پرکھنے کا معیار

میرے نزدیک دین میں سند اور حجت خدا کی کتاب (قرآن کریم) ہے اور احادیث کے پرکھنے کا معیار یہ کہ جو حدیث قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف نہیں جاتی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تسلیم کیا جاسکتا ہے اور جو حدیث اس کے خلاف جاتی ہو اس کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہو سکتی۔ مجھے منکرِ حدیث قرار دیا جاتا ہے تو وہ اس لئے نہیں کہ میں صحیح احادیث کا منکر ہوں۔ میری کتاب "معراجِ انسانیت" میں دیکھئے میں نے کتنی حدیثیں درج کی ہیں۔ میں درحقیقت منکر ہوں ان حضرات کے وضع کردہ "معیارِ حدیث" کا۔ چونکہ قرآن کریم کو صحیح اور غلط کا معیار قرار دینے سے ان حضرات کے اکثر معتقدات، نظریات اور مسالک، خلافِ قرآن (فلہذا غلط) قرار پاتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے عوام کا رُخ دوسری طرف موڑنے کے لئے یہ حربہ اختیار کر رکھا ہے کہ مجھے منکرِ حدیث اور منکرِ شانِ رسالت مشہور کر دیا جائے۔ آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے کہ "احمدی" حضرات

تو ایک طرف، خود سنیوں کے کس قدر معتقدات ایسے ہیں جن کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں لیکن وہ قرآن کے خلاف ہیں، اور یہی وہ مقامات ہیں جہاں یہ حضرات "احمدیوں" سے بحث کرتے ہوئے مات کھا جاتے ہیں۔ "احمدی" حضرات اس صورت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں ان کا فائدہ ہے۔ اس لئے وہ بھی مجھے منکرِ حدیث قرار دے کر میری مخالفت کرتے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ انہیں ارشاداتِ نبویؐ سے اس قدر عقیدت ہوتی ہے بلکہ اس لئے کہ قرآنِ خالص کو معیار و مدار تسلیم کرنے سے ان کے دعاوی باطل قرار پا جاتے ہیں۔ یہ ہے حدیث کے ساتھ ان حضرات کی وابستگی کا راز۔ یعنی

حکایتِ قدِ آں یارِ دل نواز کنم
بایں بہانہ مگر عمرِ خود دراز کنم

میرا تعلق کسی فرقے سے نہیں

اس تمہیدی وضاحت کے بعد میں آگے بڑھتا ہوں۔ لیکن آگے بڑھنے سے پیشتر میں اتنی وضاحت اور ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا تعلق کسی فرقے سے نہیں، میں سیدھا سادہ مسلمان ہوں اور قرآنِ کریم کا ادنیٰ سا طالب علم اور اس کی تعلیم کا مبلغ۔ ختمِ نبوت چونکہ (میری بصیرتِ قرآنی کی رُو سے) دین کی اصل اور اسلام کی بنیاد ہے، اس لئے میں اسے اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ کو قرآنِ کریم کی روشنی میں واضح طور پر سامنے لاؤں۔ میں نہ کسی سے بحث کرنا چاہتا ہوں نہ کوئی ہنگامہ کھڑا کرنا۔ میں اس موضوع کو علمی سطح پر رکھنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کی تحریروں میں بہت کچھ ایسا بھی ہے جسے "عام بازاری سطح" پر بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں اس سے احتراز کروں گا۔ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت کا ہو یا مثیلِ مسیح وغیرہ کا۔ میری تحقیق کی رُو سے یہ تمام دعاوی قرآنِ کریم کے خلاف اور کذب و افترا ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ایک جماعت کے نزدیک واجب الاحترام ہیں اور قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ تم مشرکین کے معبودوں کے متعلق بھی کوئی دلآزارانہ بات نہ کرو (6/109) اس لئے میں انہیں مرزا صاحب کہہ کر پکاروں گا۔ مرزائی حضرات اپنے آپ کو "احمدی" کہتے ہیں لیکن میں ان کی اس نسبت کو صحیح نہیں سمجھتا۔ کیونکہ احمدؐ حضور نبیِ اکرم کا اسمِ گرامی تھا اور یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت سے اپنے آپ کو احمدی نہیں کہتے بلکہ مرزا غلام احمد صاحب کی نسبت سے ایسا کہتے ہیں۔ بایں ہمہ میں انہیں "احمدی" کہہ کر ہی پکاروں گا کیونکہ یہ، مرزائی کہلانے سے گریز کرتے ہیں۔

میں الفاظ کے استعمال میں اس قدر احتیاط اس لئے ضروری خیال کرتا ہوں کہ ان حضرات میں شاید کوئی سعید روحیں ہوں جو نیک نیتی سے حق کی متلاشی ہوں تو وہ میری معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں۔ الفاظ میں بے احتیاطی، فریقِ مخالف میں نفرت اور تعصب پیدا کر دیتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے تاکید کی ہے کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۝ (۱۶/۱۲۵) "تم ان لوگوں کو حکمت و موعظت سے خدا کے راستے کی طرف دعوت دو، اور ان سے اختلافی امور میں بطریقِ احسن بات کرو۔"

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے، "مسئلہ قادیانیت" سے میری دلچسپی شروع سے چلی آتی ہے۔ اُس زمانے میں میں نے مرزا صاحب کی قریب قریب تمام تصانیف کا مطالعہ کیا تھا اور (اپنے معمول کے مطابق) ان سے اہم مقامات کے نوٹ لیا کرتا تھا۔ یہی نوٹ بعد میں میری تحریروں میں اقتباسات کی صورت میں آجاتے تھے۔ زیرِ نظر کتاب کی تالیف کے وقت مجھے مرزا صاحب کی اکثر کتابیں میسر نہیں آسکیں۔ اس لئے میں نے اقتباسات کے لئے زیادہ تر اپنے نوٹس پر انحصار کیا ہے۔ لیکن ان کے حوالوں کو پروفیسر الیاس برنی (مرحوم) کی کتاب "قادیانی مذہب" سے چیک کر لیا ہے۔ کتابوں کے مختلف ایڈیشنوں کی وجہ سے بعض اوقات صفحات کے نمبروں میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے میرے حوالوں میں اس قسم کا فرق ہو سکتا ہے۔ ویسے ان کی صحت کا حتی الامکان بڑا خیال رکھا گیا ہے۔ بایں ہمہ یہ ایک انسانی کوشش ہے جس میں سہو و خطا کا امکان ہر وقت ہو سکتا ہے اگر کسی حوالہ میں شک گزرے تو آپ مجھ سے دریافت فرما سکتے ہیں۔ لیکن میں کسی کے ساتھ بحث میں نہیں اُلجھوں گا۔

جہاں تک آیاتِ قرآنی کے حوالوں کا تعلق ہے تو اوپر سورۃ کا نمبر دیا گیا ہے اور نیچے آیت کا۔ مثلاً (۲/۲۶) سے مراد ہے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۶۔ قرآن کریم کے بعض نسخوں میں آیات کے شمار میں ایک آدھ کا فرق ہوتا ہے، اسے ملحوظ رکھا جائے۔

پسِ تحریر

اس کتاب کا مسودہ اپریل ۱۹۷۴ء میں مکمل ہو گیا اور کتابت کے لئے بھی دے دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ۲۹ مئی کو ربوہ اسٹیشن پر واقعہ ہونے والے حادثہ اور اس کے عواقب سے سارے ملک میں ہیجان پیدا ہو گیا

اور اُمتِ محمدیہ کے جذبات میں تلاطم برپا ہو گیا اور ہر گوشے سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ "احمدیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے. جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگا' مسلمانوں کا مطالبہ دین کا تقاضا ہے اور قرآنِ کریم کی واضح تعلیم کے عین مطابق. اس وضاحت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کتاب اس ہنگامی حادثہ کی پیدا کردہ نہیں (اس کا جذبۂ محرکہ دین کا وہی تقاضا تھا جسے میں چالیس سال سے پیش کرتا چلا آرہا تھا) اس کے آخری باب میں البتہ ان مساعی کے تذکرہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو اس مطالبہ کو آئینی شکل دینے کے لئے کی جارہی ہیں.

(پہلا ایڈیشن)

پرویز

(۲۴ر جون ۱۹۷۴ء)

دوسرا باب

چند بنیادی اصطلاحات

مسئلہ ختمِ نبوت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآنِ کریم کی چند بنیادی اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے. اس سلسلہ میں اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھئے کہ قرآنِ مجید خدا کا کلام ہے لیکن وہ نازل ہوا تھا عربوں کی زبان میں. (اس کی تصریح خود قرآنِ مجید میں موجود ہے). دنیا کی ہر زبان کی طرح، عربی زبان کے الفاظ کے عام معانی لغوی (LITERAL) ہوتے ہیں. لیکن جب وہ الفاظ بطور اصطلاح استعمال کئے جائیں گے تو ان کے معانی مختص اور متعین ہو جائیں گے. قرآنِ کریم کے الفاظ کی بھی یہی کیفیت ہے. ان الفاظ کے عام معانی لغوی ہیں. لیکن جب وہ قرآنی اصطلاح کے طور پر سامنے آئیں گے تو ان کا مفہوم وہی ہوگا جسے قرآنِ مجید نے متعین کر دیا ہے. مثلاً لفظ "رسول" کے لغوی معنی پیغام رساں کے ہیں. قرآنِ کریم میں یہ لفظ ان معانی میں بھی آیا ہے. لیکن اصطلاحی طور پر رسول سے مراد ہے وہ منتخب شخصیت جسے خدا کے احکام بذریعہ وحی ملتے تھے اور وہ انہیں دوسرے انسانوں تک پہنچاتا تھا. قرآنی آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس مقام پر متعلقہ لفظ کے لغوی معانی لئے جائیں گے یا اصطلاحی. ہمارے ہاں قرآنِ مجید کے ترجموں میں بالعموم اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جس کی وجہ سے قرآنی تعلیم کے سمجھنے میں غلط مبحث بھی ہو جاتا ہے اور مغالطہ آفرینی کے امکانات بھی پیدا. (تفصیل ان اشارات کی آگے چل کر ملے گی). اس تمہید کے بعد آیئے قرآنِ مجید کی چند بنیادی اصطلاحات کی طرف جو ہمارے موضوع پیشِ نظر سے متعلق ہیں.

آسمانی راہ نمائی

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا تو اشیائے کائنات کی ربوبیت کا ذمہ بھی خود ہی لیا. ربوبیت کے معنی

ہیں کسی شے کی اُس کے نقطۂ آغاز سے پرورش کرتے ہوئے اُسے اس کے مقامِ تکمیل تک پہنچا دینا. ظاہر ہے کہ ارتقاء کا یہ راستہ طے کرنے کے لئے 'راہ نمائی' کی ضرورت ہوگی. خالقِ کائنات نے یہ راہ نمائی اشیائے کائنات کے اندر رکھ دی ۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے کہا کہ تم جس رب کی طرف دعوت دیتے ہو، وہ رب کون سا ہے. جواب ملا. رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی (۲۰/۵۰)" ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا اور پھر اسے اس کی تکمیل تک پہنچنے کی راہ بتائی." دوسری جگہ ہے. اَلَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَہَدٰی ۪ۙ (۸۷/۲-۳)" خدا وہ ہے جس نے (ہر شے) کو پیدا کیا اور اس میں صحیح توازن قائم کر دیا. پھر اس کی زندگی کے پیمانے مقرر کر دیئے اور ان کی طرف اس کی راہ نمائی کر دی.

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے' یہ راہ نمائی کائنات میں ہر شے کے اندر از خود موجود ہے. اسے ان اشیاء کی فطرت (NATURE) یا جبلت (INSTINCT) کہا جاتا ہے. (مثلاً) بیج کے اندر یہ راہ نمائی موجود ہوتی ہے کہ وہ کس طرح بڑھے' پھُولے پھلے' ایک ننھے سے بیج سے ایک تناور درخت بن جائے اور اس میں اسی قسم کے پھول آئیں اور پھل لگیں (یا مثلاً) آپ مرغی کے نیچے بطخ اور مرغی کے مخلوط انڈے سینے کے لئے رکھ دیں.

جبلت یا فطرت

انڈوں سے باہر آتے ہی بطخ کے بچے پانی کی طرف لپکیں گے اور مرغی کے چوزے اس سے دُور بھاگیں گے. کہیں اڑتی ہوئی چیل کا سایہ نظر آ جائے یا بلی کی آواز کان میں پڑ جائے تو دوڑ کر مرغی کے پروں کے نیچے دبک کر بیٹھ جائیں گے. شیر بھوکوں مر جائے' گھاس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا. بکری کا بچہ جاں بلب کیوں نہ ہو جائے' گوشت کے پاس تک نہیں پھٹکے گا. ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ تعلیم کسی درس گاہ سے حاصل نہیں کی. یہ کسی معلم کے پاس نہیں گئے. یہ راہ نمائی پیدائش کے ساتھ ان کے اندر موجود ہوتی ہے. اور جب یہ راہ نمائی ان کے اندر موجود ہوتی ہے تو وہ اس کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں. اُنہیں اس کی خلاف ورزی کا اختیار ہی نہیں ہوتا. کسی شے کی فطرت یا جبلت کے معنی ہی اس کی وہ روش ہے جس پہ چلنے کے لئے وہ مجبور ہے' اور اشیائے کائنات کی یہی وہ غیر متبدل فطرت ہے جس کی وجہ سے انسان ان سے اس قدر مفید مطلب کام لیتا ہے. اگر صورت یہ ہو کہ آگ پہ رکھنے سے پانی کبھی کھولنے لگ جائے اور کبھی منجمد ہو جائے تو اتنی سی بات انسان کے لئے وبالِ جان بن جائے.

اور جب ذکر انسان کا آ گیا تو یہیں سے ہمارے سامنے حقیقت کا ایک اور گوشہ بے نقاب ہو گیا ہم نے

دیکھا ہے کہ بطخ کا بچّہ لپک کر پانی کی طرف جاتا ہے اور مرغی کا بچّہ اس سے دُور بھاگتا ہے۔ بکری کا بچّہ گھاس چرتا ہے گوشت کی طرف دیکھتا تک نہیں۔ اور بلّی کا بچّہ لپک کر چوہے کو دبوچ لیتا ہے۔ لیکن انسانی بچّے کی یہ کیفیت نہیں۔ وہ زہر کی ڈلی بھی اسی بے تکلفی سے مُنہ میں ڈال لیتا ہے جس بے تکلفی سے مصری کا ٹکڑا۔ جب بچّہ ذرا گھٹنوں چلنے لگتا ہے تو اس کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ کبھی آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ کبھی پانی کے ٹب میں ڈبکیاں لینے لگ جاتا۔ کبھی مرچیں آنکھوں پر مَل کر دہائی دینے لگ جاتا ہے اور کبھی پیسہ نگل کر سارے گھر کے لئے پریشانی کا موجب بن جاتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ یہ راہ نمائی انسان کے اندر ودیعت کرکے نہیں رکھ دی گئی۔ بالفاظِ دیگر انسان کی کوئی فطرت نہیں۔ یہ جو ہمارے ہاں عام طور پر مشہور ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ یہ سب لاعلمی پر مبنی ہے۔ فطرت مجبور کی ہوتی ہے۔ جسے اختیار و ارادہ دیا گیا ہو اس کی کوئی فطرت نہیں ہوتی۔ اس کے اندر کچھ صلاحیتیں ہوتی ہیں جنہیں وہ اپنے اختیار و ارادہ کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ میں اپنے موضوع سے دُور نکل جاؤں گا اگر میں اس نکتہ کی تفصیل میں چلا جاؤں۔ اس لئے اس مقام پر ان اشارات پر اکتفا کرکے مجھے اصل موضوع کی طرف آجانا چاہیئے۔ (جو حضرات اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ میری کتاب "سلیم کے نام خطوط" (جلد سوم) میں متعلقہ خط یا "ابلیس و آدم" میں وحی کا باب ملاحظہ فرمائیں)۔

انسان کی کوئی فطرت نہیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ راہ نمائی انسان کے اندر موجود نہیں کہ اسے زندگی کس نہج سے بسر کرنی چاہیئے تو اسے یہ راہ نمائی حاصل کس طرح سے ہوگی؟ انسانی زندگی کو دو شقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک اس کی طبیعی زندگی (PHYSICAL LIFE) ہے۔ یعنی اس کے جسم یا بدن کی زندگی۔ اس کی اس زندگی کے تقاضے وہی ہیں جو دیگر حیوانات کے ہیں۔ سانس لینا، کھانا، پینا، سونا، افزائشِ نسل کرنا اور ایک مدت کے بعد مر جانا۔ ان امور کا تعلق قوانینِ فطرت سے ہے جنہیں انسان عقل و فکر اور غور و تدبّر پر مبنی مشاہدہ، تجربہ، مطالعہ، تعلیم و تعلّم کے ذریعے معلوم کر سکتا ہے۔ اسے اکتسابی علم کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ علم جو کسب و ہنر اور محنت و کاوش سے حاصل کیا جاسکے۔ عقل و فکر کی بنیادی صلاحیت اور تحصیلِ علم کی استعداد ہر انسان کو عطا کر دی گئی ہے۔

انسانی راہ نمائی

اور یہاں سے ایک نئی پرابلم کا آغاز ہوتا ہے۔ انسان مدنی الطبع واقعہ ہوا ہے۔ یعنی انسانوں نے مل جل

کر رہتا ہے۔ اس سے مختلف افراد کے مفاد میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر تحفظِ خویش (PRESERVATION OF SELF) زندگی کا بنیادی تقاضا ہے اور اس تقاضا کے پورا کرنے کے لیئے وسائل و اسباب کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام حیوانات کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے جب کوئی اپنے تحفظ کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے تو وہ دوسروں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔ جب ایک بیل کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ باقی چارہ کون لے جاسکتا ہے۔ لیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ جو لوگ زیادہ چالاک اور ہوشیار ہوتے ہیں ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سامانِ زیست سمیٹ لیں، خواہ اس سے باقی ماندہ افراد تلف ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ لیکن اُن باقی ماندہ محتاج انسانوں میں بھی تو تحفظِ خویش کا تقاضا اسی طرح موجود ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اوّل الذکر افراد کی اس قسم کی کوششوں کی مزاحمت کرتے ہیں۔ باہمی مفاد کے اس ٹکراؤ سے معاشرہ میں فساد رونما ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تزاحم و تصادم یا فساد و انتشار کا حل عقلِ انسانی کی رُو سے ممکن نہیں...... اس لئے کہ یہ تو پیدا ہی عقلِ انسانی کا کیا ہوا ہوتا ہے۔ ہر فرد کی عقل کا فریضہ یا منصب یہ ہے کہ وہ اس فردِ متعلقہ کے تحفظ کی تدبیر کرے۔ عقل اپنے فریضہ کو چھوڑ نہیں سکتی۔ وہ مختلف تدبیریں کرتی رہتی ہے۔ اسی بنا پر معاشرہ کے اس فساد کو عقول کی جنگ (BATTLE OF WITS) کہا جاتا ہے۔ ارسطو نے اڑھائی ہزار سال پہلے کہا تھا کہ:-

> ہر عمل جو ارادۃً سرزد ہو' بظاہر کتنا ہی مبنی بر عقل کیوں نہ نظر آئے' درحقیقت ہمارے مفاد پر مبنی ہوتا ہے اور مفاد کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد جذبات پر ہو۔

(MYSTICISM BY EUNDERCHILL)

اور اسی حقیقت کو آج ان الفاظ میں دہرایا جاتا ہے کہ

> عقل درحقیقت ہماری خواہشات کی لونڈی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کو غیر شعوری طور پر حاصل کرنے کی خواہش کریں' ان کے حصول کے لئے ذرائع بہم پہنچا دے اور جو کچھ ہم کرنا چاہیں اس کے جواز کے لئے دلائل تلاش کر کے مہیا کر دے۔

(JOAD: GUIDE TO MODERN THOUGHTS)

اقبالؒ کے الفاظ میں :-

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر
سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر

ظاہر ہے کہ باہمی مفاد کے ان تصادمات کو حل کرنے کے لئے راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ راہ نمائی (دیگر اشیائے کائنات اور حیوانات کی طرح) انسان کے اندر موجود نہیں۔ اور اب یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ انسانی علم و عقل بھی اس قسم کی راہ نمائی مہیا نہیں کر سکتے۔ یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ راہ نمائی ملے کہاں سے؟ یہ اُس خدا کی طرف سے ہی مل سکتی تھی جس نے راہ نمائی دینے کا ذمہ لیا تھا' اس نے یہ راہ نمائی دی۔ قرآنِ کریم میں قصہ آدم کی تمثیلی داستان کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ خدا نے آدمی (انسانوں) سے کہا کہ تم نے زمین میں رہنا سہنا ہے' اس تمدنی زندگی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے مفادات میں باہمی ٹکراؤ ہوگا جس سے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۲/۳۶) "تم ایک دوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے"۔ اپنے مستقبل کی یہ تصویر دیکھ کر آدم پر افسردگی چھا گئی تو خدا نے کہا کہ اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲/۳۸) "میری طرف سے تمہارے پاس راہ نمائی آتی رہے گی۔ جو اس راہ نمائی کا اتباع کریں گے انہیں نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ حزن"۔ اس راہ نمائی کے لئے اس نے طریق یہ اختیار کیا کہ اس مقصد کے لئے ایک انسان کو منتخب کر لیا جاتا۔ اسے یہ راہ نمائی دے دی جاتی اور اسے یہ کہہ دیا جاتا کہ اسے دوسرے انسانوں تک بھی پہنچاؤ اور اس پر عمل کر کے بھی دکھاؤ۔ راہ نمائی دیئے جانے کے اس منفرد طریق کو وحی کہا جاتا ہے اور جس برگزیدہ انسان کی وساطت سے اسے دوسرے انسانوں تک پہنچایا جاتا' اسے نبی یا رسول' اور اس ضابطہ وحی کو خدا کی کتاب۔ (ان الفاظ کی تشریح اور تفصیلی مفہوم آگے چل کر سامنے آئے گا)۔

انسانی راہ نمائی

وحیِ خداوندی

وحی کا کام انسانی عقل و فکر کو سلب کرنا نہیں' عقل و فکر تو فطرت کا بہت بڑا عطیہ ہے جس سے انسان کو نوازا گیا ہے۔ خدا اس عطیہ کو دے کر پھر سے چھین لینے کا پروگرام کیوں بنائے گا؟ وحی کا فریضہ عقلِ انسانی کی راہ نمائی کرنا ہے۔ کائنات میں بعض حقائق تو ایسے ہیں جن کا ادراک عقلِ انسانی کے بس کی بات ہی نہیں' وہ اس کے دائرہ سے باہر ہیں۔ مثلاً ذاتِ خداوندی کی حقیقت' آغازِ کائنات (زمان و مکان) کی کیفیت' انسانی ذات کی ماہیت جو فرد کی موت کے بعد بھی زندہ رہتی اور آگے بڑھتی ہے۔ اُخروی زندگی کی کنہ و حقیقت وغیرہ۔ ان حقائق کے متعلق وحیِ خداوندی ایسے دلائل و شواہد بہم پہنچاتی ہے جن کی روشنی میں عقلِ انسانی ان کی حقیقت و ماہیت تک نہ پہنچ سکنے کے باوجود ان کی ہستی کے متعلق مطمئن ہو جاتی ہے۔

دوسری قسم کے امور وہ ہیں جن کا تعلق انسان کی تمدنی زندگی سے ہے۔ ان امور سے متعلق' خدائی راہ نمائی

ایسے غیر متبدل اصول دیتی ہے جن کا تمام نوعِ انسان پر یکساں اطلاق ہو سکے اور وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے متأثر نہ ہوں. مثلاً یہ اصول کہ تمام انسان پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم ہیں (۱۷/۷۰) ایک غیر متبدل اصول ہے جس کا اطلاق تمام انسانوں پر یکساں ہوتا ہے اور جو زمان و مکان سے متأثر نہیں ہو سکتا. اس قسم کے اصولوں کو دین کی اساسات (بنیادیں) کہا جاتا ہے.

لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان اصولوں پر عملدرآمد ہر قوم اور زمانے کے حالات کے مطابق ہو سکتا ہے. اس کے لئے انسانی علم و عقل طریقے وضع کر سکتی ہے لیکن انسانی علم و عقل کی صورت یہ ہے کہ یہ انسان کے ابتدائی دور میں نہایت محدود تھے. (اس زمانے میں تو انسان صحیح طریق پر اپنا ستر چھپانا بھی نہیں جانتا تھا) اندریں حالات، وحی کی راہ نمائی کا طریق یہ رہا کہ ایک رسول آتا اور (از روئے وحی) انسان کو زندگی کے غیر متبدل اصول بھی بتاتا اور ان پر عمل کرنے کے طور طریق بھی. وہ چلا جاتا تو اس کی وحی یا تو حوادثِ ارضی و سماوی کی وجہ سے باقی نہ رہتی اور یا اس میں انسانی خیالات کی آمیزش ہو جاتی...... اس کے بعد ایک اور رسول آتا اور (وحی کی رُو سے)

(۱) دین کے غیر متبدل اصولوں کو از سرِ نو، اپنی قومِ مخاطب کو دے دیتا.

(۲) سابقہ رسول کی عطا کردہ عملی جزئیات میں سے جو ہنوز قابلِ عمل ہوتیں، ان کی تجدید کر دیتا اور

(۳) جو جزئیات قابلِ عمل نہ رہتیں، ان کی جگہ ایسی نئی جزئیات دے دیتا جو اس زمانے کے تقاضوں کے مطابق ممکن العمل ہوں.

جہاں تک آسمانی ہدایت میں، انسانی خیالات کی آمیزش کا تعلق ہے، قرآن کریم میں ہے.

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ (۲۲/۵۲)

اے رسول، تم سے پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں آیا جس کے ساتھ یہ ماجرا نہ گزرا ہو کہ (اس کے جانے کے بعد) سرکش انسانوں (شیطان) نے اس کی وحی میں اپنی طرف سے آمیزش نہ کر دی ہو اس کے بعد خدا کی طرف سے ایک اور رسول آجاتا اور وہ وحی میں آمیزش کو منسوخ کر کے اصلی تعلیم خداوندی کو بارِ دیگر محکم کر دیتا. اور یہ سب کچھ خدا کے علم و حکمت کی رُو سے ہوتا.

اس طریق محو و ثبات (تنسیخ و تحکیم) کو سورۂ بقرہ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے.

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۲/۱۰۶)

وحی کا انداز یہ رہا ہے کہ جس حکم کے متعلق ہم سمجھتے کہ وہ (بدلے ہوتے حالات کے تابع) قابلِ عمل نہیں رہا ہم اس سے بہتر حکم دے دیتے. اور جو احکام قابلِ عمل تو ہوتے لیکن انسانوں نے انہیں فراموش کر دیا ہوتا. ان کی از سرِ نو تجدید کر دی جاتی. کیا تو نہیں جانتا کہ خدا نے ہر بات کے لئے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں.

آسمانی راہ نمائی کا یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہا۔ علم و عقل کی وسعتوں کے ساتھ، وحی کی تفصیلات سمٹتی گئیں۔ ذرائع رسل و رسائل کی کثرت کے ساتھ اس کے دوائرِ عمل و نفوذ پھیلتے چلے گئے تا آنکہ تاریخ اس دور میں آ پہنچی جسے علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں، دورِ قدیم اور عہدِ جدید میں حدِ فاصل سے تعبیر کیا جاتا ہے. یعنی اس دور میں جب حضورِ رسالت مآب کا ظہور ہوا. یہ وہ دور تھا جب انسانیت اپنے زمانۂ طفولیت سے آگے بڑھ کر عہدِ شباب میں پہنچ رہی تھی. سلسلۂ رشد و ہدایت کی اس داستانِ حقیقت کشا اور بصیرت افروز کو میں نے اپنی کتاب معراجِ انسانیت نقشِ اوّل کے باب "ختم نبوت" میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے.

بچپن سے جوانی تک

"بچہ جب پہلے پہل چلنا سیکھتا ہے تو اسے اُٹھنے کے لئے بھی کسی آسرے کی ضرورت ہوتی ہے. سہارا لے کر اُٹھتا ہے اور ابھی دو چار قدم بھی چلنے نہیں پاتا کہ لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے. گرتا ہے تو اِدھر اُدھر حسرت بھری نگاہوں سے مدد کی تلاش کرتا ہے. مایوس ہو جاتا ہے تو رو کر کسی اٹھانے والے کو پکارتا ہے کہ اس وقت اس کے پاس پکار کا ہی ایک ذریعہ ہوتا ہے. کوئی انگلی پکڑ کر اٹھانے والا مل جائے تو پھر چار قدم چل لیتا ہے. ذرا اور بڑا ہو جائے تو گنڈیلنے کے سہارے چلتا ہے. وہ ہاتھ سے چھوٹ جائے تو پھر مشکل ہو جاتی ہے. اور بڑا ہو جائے تو

عالمِ طفولیت

اپنے پاؤں پر کھڑا ضرور ہو جاتا ہے لیکن چلتا پھرتا انہی مقامات میں ہے جن سے وہ مانوس ہوتا ہے. غیر مانوس مقامات کی طرف جانے سے گھبراتا ہے. جانا ہی پڑے تو کسی کا ساتھ ڈھونڈتا ہے. پھر اگر راستے میں چھوٹی سی نالی بھی آ جائے تو اسے دریا نظر آتی ہے. صحن کے نشیب سے برآمدے کا فراز ایک پہاڑ دکھائی دیتا ہے. اور بڑا ہو جائے تو دن کی روشنی میں ہر طرف جا سکتا ہے لیکن اندھیرے میں اسے

چھلاوے نظر آتے ہیں۔ اس وقت پھر کسی رفیقِ سفر کی احتیاج محسوس کرتا ہے۔ لیکن جب وہ اسی طرح اُٹھتے بیٹھتے، گرتے پڑتے، گھبراتے سنبھلتے پوری جوانی کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے انگلی پکڑنے والے کی ضرورت نہیں ہوتی مانوس وغیر مانوس مقامات کا امتیاز اُٹھ جاتا ہے۔ روشنی اور اندھیرے کا فرق بھی باقی نہیں رہتا ہے۔ اب وہ ہر جگہ بلا خوف وخطر چلا جاتا ہے۔ اگر کہیں ٹھوکر کھا کر گر بھی پڑے تو خود بخود اٹھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح یہ بتانا چاہتا ہے کہ اسے کسی خارجی مدد کی احتیاج نہیں۔ وہ اس قسم کی مدد کو اپنی شانِ جوانمردی کے

جوانی کا زمانہ

خلاف سمجھ کر اس میں خفت محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے پاؤں پر آپ چلنا چاہتا ہے وہ اپنی حفاظت خود کر لے کا متمنی ہوتا ہے، وہ اپنی منزلیں آپ قطع کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے۔ البتہ اس مقام پر اسے ایک چیز کی ضرورت باقی رہتی ہے جس کے بغیر نہ تو وہ راستہ کی پُرخطر گھاٹیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ ہی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا۔ یہ چیز جس کی ضرورت لاینفک اور جس کی احتیاج یقینی ہے، اور اس احتیاج میں وہ کوئی شرم وندامت اور سبکی وخفت بھی محسوس نہیں کرتا یہ ہے شاہراہِ زندگی میں جہاں جہاں دوراہے آئیں وہاں نشانِ راہ (SIGN POSTS) نصب ہوں، جن پر واضح اور بین الفاظ میں لکھا ہو کہ یہ راستہ کدھر جاتا ہے اور دوسرا راستہ کس طرف؟ اب اگر راہ رَو کی آنکھوں میں بصارت ہے اور فضا میں روشنی کہ جس کی مدد سے یہ نشاناتِ راہ پڑھے جا سکیں تو پھر راستہ قطع کرنے پر منزلِ مقصود تک پہنچ جانا یقینی ہے۔ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" ۲/۱۱۲

جب ذہنِ انسانی اس طرح سنِ رشد وشعور کو پہنچ گیا تو جس راہ نمائی کو وحی کے ذریعے دیا جانا مقصود تھا اور جس میں اب نہ کسی حک واضافہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی تغیر وتبدل کی حاجت۔ اسے آخری مرتبہ، نبیِ آخر الزماں، حضور رسالتمآبؐ کی وساطت سے انسانوں تک پہنچا دیا گیا۔ اس ضابطۂ وحی کا نام قرآن کریم ہے۔ اس ضابطۂ ہدایت کی خصوصیات یہ بتائی گئیں:۔

قرآن کی خصوصیات

(۱) یہ کتاب مفصّل ہے۔ سورۃ انعام میں ہے۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (۶/۱۱۵)

کیا میں خدا کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں۔ حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کر دی ہے جو مفصّل ہے۔

(۲) جو غیر متبدل حقائق شروع سے چلے آرہے تھے وہ سب اس کے اندر آگئے ہیں۔ وَاَنْزَلْنَآ

إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (۵/۴۸)
"ہم نے تیری طرف (اے رسولؐ!) ایسی کتاب نازل کر دی ہے جو ان دعاوی کو سچ کر دکھائے گی جو کتبِ سابقہ میں انسانوں سے کئے گئے تھے۔ اور یہ تمام ابدی حقائق کو محیط ہے۔"

۳۔ انسانی راہ نمائی سے متعلق کوئی بات ایسی نہیں جو اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہو۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (۶/۳۸) "ہم نے اس کتاب میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔"

۴۔ ہر بات کو کھول کر بیان کرتی ہے۔ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶/۸۹)۔

۵۔ قولِ فیصل ہے۔ یونہی مذاق نہیں۔ إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ (۱۴-۱۳/۸۶)

۶۔ خدا کی طرف سے دیئے جانے والے تمام قوانین اس میں مکمل ہو گئے ہیں۔ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا (۶/۱۱۶) "تیرے خدا کی باتیں، اس کے قوانین، صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔"

۷۔ یہ مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (۱۰/۶۴)۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ دیگر مقامات میں ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶/۱۱۶؛ ۶/۳۴؛ ۱۸/۲۷) انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ حتّٰی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میں اپنی طرف سے کسی تبدیلی کے مجاز نہیں تھے (۱۰/۱۵)۔

۸۔ مکمل، غیر متبدل اور اس کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے محفوظ۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُونَ (۱۵/۹) "ہم نے اس ضابطہ قوانین کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے محافظ ہیں۔"

۹۔ کسی خاص زمانے یا خاص قوم کے لئے رہنمائی نہیں۔ تمام اقوامِ عالم کے لئے ضابطہ ہدایت۔ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ (۸۱/۲۷) "یہ تمام اقوام کے لئے ضابطہ ہدایت ہے۔"

۱۰۔ تمام نوعِ انسان کے دکھوں کی دوا۔ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ (۱۰/۵۷) "اے نوعِ انسان! تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے موعظت آ گئی۔ یعنی وہ نسخہ کیمیا جس میں تمہارے نفسیاتی امراض کا علاج موجود ہے۔"

واضح رہے کہ جب یہ کہا گیا کہ یہ کتاب مفصّل اور مکمل ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں تمام احکام اور ان کی جزئیات تک بھی دے دی گئی ہیں۔ قرآن کریم کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں احکام بہت کم ہیں یعنی وہی جو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہ سکتے تھے۔ باقی راہ نمائی اصول و اقدار کی شکل میں دی گئی ہے۔ ان اصول و اقدار پر عمل درآمد کس طرح کیا جائے گا، اسے ہر زمانہ میں قرآنی نظامِ حکومت (یعنی اسلامی مملکت جو قرآن کے مطابق

قائم ہوگی) باہمی مشورہ سے خود متعین کرے گا۔ یہ طریقِ عمل (یا جزئیات) زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق بدلتا جائے گا لیکن اصول و اقدار اپنی جگہ غیر متبدل رہیں گے۔ ثبات و تغیر کے اس امتزاج سے یہ راہ نمائی ممکن العمل رہے گی اور ابدیت بدرکنار بھی۔

اسے پھر سمجھ لیجئے کہ ختم نبوت یا ختم وحی کے معنی یہ نہیں کہ اب انسانوں کو وحی کی ضرورت نہیں رہی اور اب یہ اپنے تمام معاملات اپنی عقل و فکر کی رُو سے طے کرسکتے ہیں۔ بالکل نہیں۔ انسان ہمیشہ وحی کی راہ نمائی کے محتاج رہیں گے۔ ان کی عقل و فکر وحی کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے کار فرما ہوگی۔ یہ وحی قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اور چونکہ وہ مکمل ہے اس لئے مزید وحی کی ضرورت نہیں رہی۔

یہ تھیں (اور ہیں) اس کتاب کی خصوصیات جسے نوعِ انسان کی ابدی راہ نمائی کے لئے دیا گیا جب کتاب اس قسم کی تھی تو جس رسولؐ کی وساطت سے یہ کتاب دی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی انہی خصوصیات کا حامل تھا۔

رسولِ آخر الزمانؐ

کتاب تمام نوعِ انسان کے لئے ضابطۂ ہدایت تھی تو رسولؐ بھی تمام نوعِ انسان کی طرف رسولؐ تھا۔ چنانچہ کہا کہ اعلان کردو کہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا (۷/۱۵۸) "اے نوعِ انسان! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں"۔ دوسری جگہ ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ (۳۴/۲۸) "ہم نے تمہیں جملہ نوعِ انسان کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے"۔ ان انسانوں کی طرف بھی جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے اور ان کی طرف بھی جو بعد میں آنے والے تھے۔ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (۶۲/۳) "اس قومِ مخاطب کی طرف بھی اور ان کی طرف بھی جو ابھی ان سے ملے نہیں، بعد میں آنے والے ہیں"۔ جب خدا کی کتاب دائمی تھی تو اس کے رسول کی رسالت بھی دائمی تھی، فرمایا۔ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (۶/۱۹) "ان سے کہہ دو کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں بھی آگاہ کردوں اور انہیں بھی جن تک یہ (بعد میں) پہنچے"۔ یعنی قیامت تک جن جن لوگوں تک قرآن پہنچے گا، رسالتِ محمدیہ انہیں محیط ہوگی۔ یوں جس طرح قرآن کے متعلق کہا کہ وہ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے (۸۱/۲۷) اسی طرح اس قرآن کے حامل رسول کے متعلق کہا کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (۲۱/۱۰۷) "ہم نے تمہیں تمام اقوامِ عالم کے لئے باعثِ رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

ان تمام وضاحتوں اور صراحتوں کے بعد یہ اعلانِ عظیم کردیا کہ،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (۵/۳)

اس دور میں ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نوازشات کا اتمام کردیا اور تمہارے لئے اسلام بطور ضابطۂ زندگی پسند کرلیا۔

اس آیت میں اگر تکمیلِ دین سے مراد اس زمانے کے مسلمانوں کا دینی غلبہ بھی لیا جائے تو بھی قرآن مجید نے اس کی وضاحت کردی تھی کہ یہ نظامِ زندگی، دنیا کے باقی تمام نظامہائے حیات پر غالب آکر رہے گا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ (۹/۳۳) "خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت اور مبنی بر حق نظامِ حیات کے ساتھ بھیجا تاکہ یہ نظام، دیگر تمام نظامہائے عالم پر غالب آجائے خواہ یہ بات ان لوگوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے جو دینِ خداوندی میں اوروں کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔"

میں آپ کی توجہ ایک بار پھر اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ خدا نے اپنی کتاب (قرآن کریم) کے متعلق واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ یہ ہر طرح سے مکمل ہے۔ غیر متبدل ہے۔ محفوظ ہے۔ قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد ختمِ نبوت کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ جب کتاب ایسی ہے جس کے بعد قیامت تک کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں، تو اس کتاب کے لانے والے نبیؐ کے بعد کسی اور نبی کی بھی ضرورت نہیں۔ نبی تو کتاب لے کر آتا ہے۔ جب کوئی کتاب ہی نہیں آنی تو نبی کیا کرنے آئے گا۔ کتاب دائمی، اس لئے اس کتاب کے لانے والے نبی کی نبوت بھی دائمی۔ کتاب کے بعد مزید کتابوں کے نزول کا سلسلہ ختم، اس لئے اس نبیؐ کے بعد، نبوت کا سلسلہ بھی ختم۔ اس کے بعد سوچئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی اکرمؐ کو خاتم النبیینؐ کہا (۳۳/۴۰) تو اس کے صحیح قرآنی مفہوم کے سمجھنے میں کوئی دشواری ہو سکتی ہے! قرآن کریم کے خاتم الکتب (آسمانی کتابوں کے سلسلہ کی آخری کتاب) تسلیم کرلینے کے بعد، نبی اکرمؐ کے خاتم الانبیاء (سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی) ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ قرآن کریم کے متعلق کہا ہے، اس کے بعد اگر حضورؐ کے متعلق خاتم النبیین ہونے کا اعلان نہ بھی کیا جاتا تو بھی حضورؐ کے آخری نبی ہونے میں دو آراء نہ ہو سکتیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں سوچئے کہ قرآن کریم کو خدا کی کتاب ماننے والوں کے ہاں ختمِ نبوت بھی کوئی ایسا مسئلہ ہو سکتا تھا جس میں کسی بحث کی گنجائش ہوتی! لیکن وائے بدنصیبی کہ ہمارے ہاں ایسی مسلّمہ حقیقت پر بھی گزشتہ ساٹھ ستر

برس سے بحث ہو رہی ہے اور مسلسل بحث! آپ کو معلوم ہے کہ اس بحث کا مدار کس چیز پر ہے؟ (جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں)، روایات پر۔ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔ سرِدست ہم قرآن کریم کی ان اصطلاحات کو دیکھیں گے جن کا اس موضوع سے بنیادی تعلق ہے۔

۱۔ وحی

ان اصطلاحات میں سب سے پہلے "وحی" کی اصطلاح آتی ہے۔ لُغت کی رُو سے اس لفظ (یا مادہ ـــ و۔ح۔ی) کے کیا معنی ہیں، اسے میں نے اپنی "لغات القرآن" میں عربی زبان کی مستند کتبِ لغت کے حوالوں کے ساتھ تفصیل سے لکھا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس جگہ بالفاظہٖ درج کر دیا جائے۔ وھوھذا۔

اَلْوَحْیُ:۔ اشارہ جس میں تیزی اور سرعت ہو۔ وَحَیْتُ لَکَ بِخَبَرِ کَذَا۔ میں نے تمہیں فلاں بات کا اشارہ کر دیا۔ یا چپکے سے مطلع کر دیا۔[1] چنانچہ سورۃ مریم میں حضرت زکریاؑ کے متعلق ہے کہ اُن سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں سے بات نہ کریں۔ فَاَوْحٰی اِلَیْھِمْ (۱۹/۱۱) لہٰذا اس نے لوگوں کو اشارہ سے کہا۔

۲۔ راغب نے کہا ہے (اور صاحبِ تاج نے بھی اس کی تائید کی ہے) کہ اَلْوَحْیُ کے معنی تیز اشارہ کے ہیں۔ اسی لئے شَیْءٌ وَحِیٌّ کے معنی ہیں وہ چیز جو جلدی سے آ جائے۔ اور اَمْرٌ وَحِیٌّ۔ تیز رفتار معاملہ۔ اَلْوَحْیُ جلدی، تیزی کرنا۔ اَوْحَی الْعَمَلَ۔ اس نے کام میں جلدی کی۔[2]

۳۔ اَلْوَحْیُ کے معنی کتابت (یعنی لکھنا) بھی ہیں۔ وَحَیْتُ الْکِتَابَ۔ میں نے کتاب کو لکھا۔ وَاحٍ لکھنے والا (کاتب)۔ اَلْوَحِیُّ۔ لکھی ہوئی چیز یا نامہ۔ چنانچہ جوہری نے کہا ہے کہ اَلْوَحْیُ کے معنی اَلْکِتَابُ ہیں۔ صاحبِ لطائف اللغتہ نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے اور ابنِ فارس اور راغب نے بھی۔ سورۃ مائدہ میں جو ہے وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ (۵/۱۱۱) تو اس میں وحی کے معنی "لکھے ہوئے حکم" کے ہیں۔[3] یعنی اس وحی کے ذریعے جو (بقول راغب) حضرت عیسٰیؑ کی وساطت سے (انجیل میں لکھی ہوئی) بھیجی گئی تھی۔

---

[1] تاج العروس، نیز مفرداتِ امام راغب۔ [2] تاج و راغب۔ [3] تاج و راغب۔

۴. اَوْحٰی کے معنی حکم کرنا، امر کرنا۔ چنانچہ صاحبِ تاج نے کہا ہے کہ مندرجہ بالا آیت (۵/۱۱۱) میں حواریوں کی طرف وحی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے انہیں حکم دیا تھا[1]۔ اور یہ وحی حضرت عیسیٰؑ کی وساطت سے حواریوں کو ملی تھی[2]۔ ابنِ فارس نے کہا ہے کہ وہ چیز جسے تم کسی طرف پہنچا دو اور اسے اس کا علم ہو جائے وَحْیٌ کہلاتی ہے خواہ اسے پہنچانے کی کیفیت کچھ ہی ہو۔ مخفی طور پر یا ویسے ہی۔

سورۃ "حٰمٓ" سجدہ میں ہے وَ اَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ (۴۱/۱۲) "اس نے ہر سماء میں اس کا امر وحی کر دیا"۔ اس میں امر وحی (یا وحیِ امر) کے معنی مامور کرنے کے ہیں یعنی وہ قانونِ خداوندی جس کی رُو سے خارجی کائنات کی ہر شے اپنے اپنے فرائضِ مفوضہ کی تکمیل میں سرگرداں ہے۔ اسی کو سورۃ النور میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ؕ (۲۴/۴۱) کائنات کی ہر شے جانتی ہے کہ اس کے فرائض کیا ہیں اور وہ مقصد کیا ہے جس کے حصول کے لئے انہیں سرگرمِ عمل رہنا ہے۔ یہی وہ وحی ہے جو ان میں جاری و ساری ہے یعنی امرِ خداوندی۔ خدا کا قانون۔ اس کے متعلق سورۃ زلزال میں ہے بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا ؕ (۹۹/۵) یعنی اس مقصد کے لئے خدا نے زمین کی طرف وحی کی ہے۔ زمین کو حکم دے رکھا ہے۔ زمین کے متعلق خدا کا قانون یہ ہے۔ اسی طرح سورۃ النحل میں ہے۔ وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ (۱۶/۶۸)۔ شہد کی مکھی کی طرف خدا نے وحی کر رکھی ہے۔ یعنی اس کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ یہ کچھ کرے۔

۵. اَوْحٰی اِلَیْهِ۔ کسی کو اپنا پیغام بر یا ایلچی بنا کر بھیجنا۔ چنانچہ اَوْحَی الرَّجُلُ کے معنی ہیں اس نے اپنے معتمد یا ایلچی کو ایلچی بنا کر بھیجا (بحوالہ تاج العروس) ابن الانباری نے کہا ہے کہ اِیْحَاءٌ کے اصلی معنی کسی کا دوسرے کے ساتھ علیحدگی میں خفیہ باتیں کرنا ہیں۔ اس لئے قرآن میں حضرات انبیاء کرامؑ کے مخالفین کے متعلق ہے۔ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ (۶/۱۱۳) اس کے معنی خفیہ سازشوں کے ہیں۔ اِخفا کے اعتبار سے اس کے معنی ہوتے ہیں کسی بات کو دل میں ڈال دینا۔ چنانچہ اَوْحَتْ نَفْسُهٗ کے معنی ہیں اس کے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ اس کے دل میں خدشہ پیدا ہو گیا۔ (بحوالہ تاج العروس)

۶. اَلْوَحْیُ کے معنی قابلِ اعتماد راستے کے بھی ہیں (لطائف اللغۃ)۔ یہ ہیں اس لفظ (یا مادہ) کے لغوی معنی۔

---

[1] تاج و راغب۔ [2] راغب۔

انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔ کیونکہ آگے چل کر ان سے بڑے اہم نکتے پیدا ہوں گے۔

لیکن اس لفظ کے اصطلاحی معنی ہیں وہ علم جسے خدا ایک برگزیدہ (منتخب) فرد کو براہِ راست اپنی طرف سے دیتا تھا۔ اسے پھر سمجھ لیجئے کہ قرآنی اصطلاح کی رُو سے، وحی کے معنی ہیں "خدا کی طرف سے براہِ راست ملنے والا علم"۔ اس اصطلاح کی (قرآن کی رُو سے) خصوصیات حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ یہ وحی حضرات انبیاء کرامؑ کی طرف آتی تھی۔ دوسرے انسانوں کی طرف نہیں آتی تھی۔ حضرات انبیاء کرامؑ اسے دوسرے انسانوں تک پہنچاتے تھے۔ چنانچہ رسول سے کہا جاتا تھا کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۵/۶۷) "جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کیا جاتا ہے، اسے دوسروں تک پہنچاؤ"۔

۲۔ انسانی علم اُس کے مطالعہ، مشاہدہ، تجربہ، غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن وحی میں صاحبِ وحی کے اپنے خیالات اور جذبات کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ یہ علم اُسے خدا کی طرف سے براہِ راست ملتا تھا۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ (۵۳/۳) "جو کچھ یہ رسول کہتا ہے، اس میں اُس کی اپنی فکر یا جذبات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ؕ (۵۳/۴) "یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ وحی کی اسی خارجیت (OBJECTIVITY) کی جہت سے اسے تنزیل کہا جاتا تھا۔ یعنی نبیؐ کے دل سے اُبھر کر باہر آئی ہوئی بات نہیں بلکہ اس پر اُوپر سے نازل شدہ بات۔

۳۔ انسانی علم، محنت و کاوش، کسب و ہنر، سعی و مشقت سے حاصل کیا جاتا ہے، اور جو انسان چاہے، اسے حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن وحی کا علم اس طرح حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے لئے خدا کسی فرد کو منتخب کر لیتا تھا۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (۲/۱۰۵) "خدا اپنی مشیت کی رُو سے جسے چاہتا اس مقصد کے لئے مختص کر لیتا۔ اس جہت سے اس علم کو اکتسابی نہیں بلکہ وہبی کہا جاتا تھا۔ یعنی خدا کی طرف سے بلا کسب و ہنر ملنے والا علم۔ جس فرد کو اس مقصد کے لئے منتخب کیا جاتا تھا، اسے اس کا علم و احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ اسے یہ علم ملنے والا ہے۔ حضور نبیِ اکرمؐ کے متعلق ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (۴۲/۵۲) "اس سے پہلے، تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے۔" وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ (۲۸/۸۶؛) "تیرے دل میں یہ خیال تک بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا، نہ تو اس کی آرزو کر سکتا تھا کہ تیری طرف کتاب نازل ہو گی"۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (۲۸/۸۶) "یہ تیرے خدا کی رحمت ہے جس کے لئے تجھے منتخب کیا گیا ہے"۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ

قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (۲۹/۴۸) "تو تو اس سے پہلے لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا"۔

(۴) چونکہ یہ علم نبی تک محدود و مختص تھا اس لئے ہم (یعنی غیر از نبی) اسے سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس کی ماہیت و کیفیت کیا ہوتی تھی یعنی یہ کس طرح نازل ہوتا تھا ہمیں اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲/۹۷) "جبریل اسے بحکم خداوندی قلبِ نبوی پر نازل کرتا تھا"۔ اس کی طرف اس کا القا ہوتا تھا (۴/۱۵)۔

۵. یہ مبہم اشارات یا خواب نہیں ہوتے تھے۔ صاف، واضح متعین الفاظ ہوتے تھے۔ اسی لئے اسے کلام اللہ کہا جاتا ہے (۲/۷۵، ۹/۶)۔ قرآن کریم کے الفاظ وحی خداوندی ہیں۔ یہ نہیں کہ اس کا مفہوم رسول اللہ کو سمجھا دیا گیا تھا اور حضورؐ نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا۔

۶. نبی کو اس کا قطعاً اختیار نہیں ہوتا تھا کہ وہ وحیِ خداوندی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کر سکے۔ مخالفینِ عرب آپؐ سے کہتے کہ آپؐ قرآن میں کچھ ردّ و بدل کر دیں تو ہم آپؐ کے ساتھ مفاہمت کر لیں گے۔ اس کے جواب میں حضورؐ سے کہا گیا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ "یہ قرآن چونکہ میرا اپنا تصنیف کردہ نہیں اس لئے مجھے اس کا اختیار ہی نہیں کہ میں اس میں کسی قسم کا ردّ و بدل کر سکوں۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (۱۰/۱۵) "میں تو خود اس وحی کی پیروی کرتا ہوں"۔

یہ ہیں وہ خصوصیات جن کے لئے لفظ وحی بطور قرآنی اصطلاح استعمال ہوتا ہے۔ اگر ہم سمٹا کر کہنا چاہیں تو یوں کہا جا سکے گا کہ

(۱) یہ وہ علم تھا جو منتخب افراد کو خدا کی طرف سے براہِ راست ملتا تھا۔

(۲) یہ صرف حضرات انبیاء کرامؑ تک محدود تھا۔

یہ ہے وہ علم جو آخری مرتبہ حضور نبی اکرمؐ کو دیا گیا اور جو اب قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ آپؐ کے بعد یہ علم کسی کو نہیں مل سکتا۔ خدا نے اس طریقِ علم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اسے ختمِ نبوت کہا جاتا ہے۔ یعنی سلسلہ وحی کا اختتام۔ اب کسی کو حق حاصل نہیں کہ یہ دعویٰ کرے کہ مجھے خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے (خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لے) جو ایسا کہتا ہے وہ مدعیِ نبوت ہے اور اس کا دعویٰ باطل۔

"احمدی" حضرات اس سلسلہ میں کس قسم کی مغالطہ آفرینی سے کام لیتے ہیں۔ اس کی تفصیل تیسرے باب میں آئے گی جہاں ان کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کیا جائے گا۔

۲۔ الہام اور کشف

الہام (مادہ ۔ ل ۔ ھ ۔ م) کے معنی ہیں کسی چیز کو یکبارگی نگل لینا۔ یہ لفظ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ آیا ہے یعنی سورۃ الشمس میں جہاں کہا گیا ہے۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ (۸ ۔ ۷/۹۱) "انسانی نفس اور اس کا تسویہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ خدا نے اس کے اندر فجور اور تقویٰ کی صلاحیت رکھ دی"۔

ان نکات کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ صرف اس مقام پر آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسانی نفس میں اس قسم کی خصوصیات رکھ دی ہیں۔ انسانی نفس ہر انسانی بچہ کو پیدائش کے ساتھ عطا ہوتا ہے اس لئے نفس کی یہ خصوصیات ہر انسانی نفس کے لئے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ خدا بعض انسانوں (اپنے مقربین) کو بذریعہ الہام کوئی علم دیتا ہے ایسا کہیں نہیں آیا۔ باقی رہا کشف۔ سو اس کے معنی ہیں پردے کا اٹھا دینا۔ کسی بات کو ظاہر کر دینا۔ قرآن کریم میں یہ مادہ عذاب یا مصائب کے دُور کرنے کے معانی میں آیا ہے۔ کسی کو غیب کا علم عطا کرنے کے معانی میں کہیں نہیں آیا۔ یہ جو ہمارے ہاں عقیدہ ہے کہ حضرات اولیاء کرام کو کشف و الہام ہوتا ہے، اور مقصد اس سے ہوتا ہے ایسا علم جو خدا سے براہِ راست حاصل ہو، تو قرآن کریم سے اس کی سند نہیں ملتی (جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا' یہ عقیدہ غیر قرآنی ہے، اور دوسروں سے مستعار لیا ہوا)۔ خدا سے براہِ راست علم حاصل ہونے کے لئے قرآن کریم میں وحی کی اصطلاح آتی ہے۔ اور وحی حضرات انبیاء کرام تک محدود تھی اور حضور نبی اکرمؐ کی ذات پر ختم ہو گئی۔ اب خدا سے کسی کو براہِ راست علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ وحی کو خدا نے "اپنا کلام" بھی کہا ہے۔ اس لئے "ختمِ نبوت" کے بعد خدا سے ہمکلامی" کا دعویٰ بھی درحقیقت دعویٰ نبوت ہے۔ خدا نے کسی (غیر از نبی) انسان کے متعلق یہ نہیں کہا کہ ہم اس سے کلام کرتے ہیں یا وہ ہم سے کلام کر سکتا ہے۔ نہ ہی یہ کہ ہم نے فلاں کی طرف الہام کیا یا اپنے مقربین کی طرف الہام کریں گے۔ لہٰذا قرآن کریم سے کشف' الہام یا غیر از نبی سے ہمکلامی کی کوئی سند نہیں ملتی۔

اس عقیدہ کے عملی نتائج کے متعلق ذرا آگے جا کر بات کی جائے گی۔

۳۔ کتاب

اس لفظ (یا مادہ ۔ ک ۔ ت ۔ ب) کے بنیادی معنی فیصلہ اور حکم کے ہیں (تاج العروس)۔ قرآن کریم میں

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ (۲/۱۷۸) یا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (۲/۱۸۳) فرض یا ضروری قرار دینے کے معنوں میں آیا ہے۔

چونکہ یہ احکام اکثر لکھے ہوتے تھے اس لئے کتب کے معنی لکھنے کے ہو گئے۔ اور ان تحریر شدہ احکام یا فیصلوں کے اوراق کی شیرازہ بندی سے جو مجموعہ مرتب ہوا اُسے کتاب سے تعبیر کیا گیا۔ یہ اس کے لغوی معنی ہیں۔ لیکن قرآنی اصطلاح میں کتاب اس حکم یا احکام کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملیں۔ اس مفہوم کے لئے ضروری نہیں کہ کتاب دو چار سو صفحات پر مشتمل تصنیف ہو۔ خدا کے کسی ایک حکم کو بھی کتاب کہا جائے گا۔ اس اعتبار سے جس منتخب برگزیدہ فرد (یعنی نبی) کو وحی ملتی تھی، اسے خدا کی طرف سے کتاب ملتی تھی۔ لہٰذا ہر صاحب وحی، صاحب کتاب ہوتا تھا۔ یہ سمجھنا یا کہنا قرآن سے بیگانگی کی دلیل ہوگی کہ فلاں نبی کو وحی تو ملی تھی لیکن کتاب نہیں ملی تھی۔ (اس نکتہ کی وضاحت ذرا آگے چل کر آتی ہے)۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے سلسلۂ رشد و ہدایت کی کیفیت یہ تھی کہ ایک نبی آتا اور لوگوں تک خدا کی وحی پہنچاتا۔ اسے اس نبی یا رسول کی کتاب کہا جاتا۔ اس کے بعد اس کے سرکش متبعین (مذہبی پیشوا) اس کی کتاب (یعنی اس کی وحی) میں تغیر و تبدل کر دیتے یا وہ لکھی ہوئی وحی کسی ارضی یا سماوی حادثہ کی وجہ سے ضائع ہو جاتی۔ اس کے بعد دوسرا نبی آتا۔ اور وہ اس وحی کو جو پہلے نبی کو ملی تھی، اس کی خالص اور منزہ شکل میں پیش کر دیتا، اس فرق کے ساتھ کہ خدا کو جن سابقہ احکام و ہدایات میں کوئی تغیر و تبدل مطلوب ہوتا، وہ اس جدید وحی یا کتاب کو اس کے مطابق کر دیتا۔ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہوتا چلا آیا۔ تا آنکہ جب، اس نے اپنی مشیت کے مطابق سلسلۂ وحی کو ختم کر دینا چاہا تو حضور نبی اکرمؐ کی طرف نازل کردہ وحی میں ان تمام سابقہ احکام یعنی کتب کی تجدید کر دی جنہیں علیٰ حالہٖ رکھنا مقصود تھا اور اس میں ان احکام و اصول کا بھی اضافہ کر دیا جنہیں نوعِ انسان کی راہ نمائی کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رکھا جانا مقصود تھا۔ اس ضابطۂ اصول و اقدار و احکام و قوانین کا نام قرآنِ مجید ہے۔ یعنی خدا کی آخری کتاب یا آخری وحی کا مجموعہ۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدا نے میری طرف فلاں حکم بھیجا ہے تو وہ صاحبِ کتاب ہونے کا مدعی ہے۔ اور قرآن کی رُو سے اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

نبی اور رسول

اس کے بعد آیئے نبی اور رسول کے الفاظ کی طرف۔ عربی زبان میں ایک مادہ ہے نَبَاءٌ (ن۔ب۔أ)

اس کے بنیادی معنی ہیں خبر دینا۔ نبیؔ کا لفظ اس مادہ سے بھی آسکتا ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے خبریں دینے والا۔ یہودیوں کے ہاں نَبِیُ ہیکل کے ایک خاص منصب دار کا لقب تھا جو پیش گوئیاں کیا کرتا تھا۔ اس اعتبار سے انگریزی زبان میں نبی کو (PROPHET) کہتے ہیں۔ یعنی پیشگوئیاں (PROPHECIES) کرنے والا۔ قرآن کریم میں یہ مادہ ان معنوں میں بھی آیا ہے۔

لیکن ایک مادہ (ن۔ ب۔ و) بھی ہے جس کے معنی مقام بلند کے ہیں۔ نبیؔ کا لفظ اس مادہ سے بھی آسکتا ہے۔ اس اعتبار سے، نبی اس منتخب فرد کو کہیں گے جو علمِ انسانی کی سطح سے بلند تر مقام پر فائز ہو۔ میں ان معانی کو ترجیح دیا کرتا ہوں۔ لیکن نبیؔ کا لفظ (ن۔ ب۔ أ) سے ہو یا (ن۔ ب۔ و) سے، قرآن کریم کی اصطلاح میں یہ لفظ اس منتخب فرد کے لئے بولا جاتا ہے جسے خدا کی طرف سے وحیؔ ملتی تھی۔ اس وحیؔ کا سرچشمہ علمِ انسانی سے بلند اور ماوراء تھا۔ اس لئے یہ برگزیدہ ہستی بلند ترین مقام پر فائز ہوتی تھی۔ اس کی وحی میں، احکام و اقدار کے علاوہ، ماضی کے ان واقعات کا بھی، ذکر ہوتا تھا جن کی پردہ کشائی صاحبِ وحی کے زمانے تک کے انسانی علم نے نہیں کی ہوتی تھی، اور مستقبل کے متعلق بعض واقعات و حوادث کا ذکر بھی۔ اس اعتبار سے اُسے "خبریں دینے والا" کہا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی خبروں کے لئے قرآنِ کریم میں غیبؔ کا لفظ آیا ہے۔ نبی کو اس غیب کا علم بھی وحی کے ذریعے ہی دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس قسم کی خبروں کے سلسلہ میں بصراحت کہا گیا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ ؕ (۳/۴۴) "یہ غیب کی خبروں میں جنہیں بذریعہ وحی بتایا جاتا ہے۔"

لہٰذا ختمِ نبوت کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے غیب کی خبریں یعنی پیشگوئیاں ملتی ہیں تو وہ وحیؔ کا مدعی ہے۔ لہٰذا ختمِ نبوت کا منکر اور اس کا دعویٰ باطل۔ (عام لوگوں کی پیشگوئیاں قیاسات پر مبنی ہوتی ہیں۔ ان کے متعلق میں اس وقت بحث نہیں کر رہا۔ میں صرف اس شخص کی بات کر رہا ہوں جو یہ کہے کہ میں خدا کی طرف سے علم پا کر پیشگوئیاں کرتا ہوں۔ ایسا شخص درحقیقت مدعیٔ نبوت ہے، لہٰذا از روئے قرآن اس کا دعوٰے باطل)۔

رسُول

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ نبیؔ کا یہ فریضہ ہوتا تھا کہ جو وحی اسے خدا کی طرف سے ملے، اسے دوسروں تک

بھی پہنچائے۔ جو شخص کسی پیغام کو دوسروں تک پہنچائے اسے رسول کہا جاتا ہے۔ رسول کے لغوی معانی ہیں پیغام بر یا قاصد لیکن قرآن کی اصطلاح میں اس کے معنی ہوں گے وہ منتخب فرد جو خدا کی طرف سے وحی پا کر اسے دوسروں تک پہنچائے۔ اب دیکھئے یہاں اس منتخب فرد کی دو حیثیتیں ہوگئیں۔ ایک اس کی خدا کی طرف سے وحی پانے کی حیثیت، اسے نبوت کہا جائے گا۔ اور دوسرے اس وحی کو دوسروں تک پہنچانے کی حیثیت، اسے منصب رسالت کہا جائے گا۔ بالفاظِ دیگر قرآنی اصطلاح میں خدا کی طرف سے وحی پانے والا نبی بھی ہوتا تھا اور رسول بھی۔ یہ ایک ہی فرد ہوتا تھا جس کے دو الگ الگ منصب ہوتے تھے۔ ان اصطلاحی معنوں کی رو سے یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص نبی تو ہو لیکن رسول نہ ہو یا وہ رسول تو ہو، نبی نہ ہو۔

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ وحی کو خدا کی کتاب بھی کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے جو منتخب فرد صاحب وحی یا صاحب کتاب ہوگا وہ نبی بھی کہلائے گا اور رسول بھی۔ وہ خدا سے کتاب پانے کی جہت سے نبی ہوگا اور اس کتاب کو دوسروں تک پہنچانے کی جہت سے رسول۔ لہٰذا، قرآنِ کریم کی رو سے نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں ہے کہ تمام انبیاء صاحب کتاب تھے اور تمام رسول صاحب کتاب۔ سورۂ بقرہ میں ہے..... فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ "خدا نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو مبشر اور منذر تھے۔ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (۲/۲۱۳) اور ان سب کے ساتھ کتابیں نازل کیں۔ یہاں سے واضح ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں تھا جو صاحبِ کتاب نہ تھا۔ بات بالکل واضح ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں نبی کہتے ہی اُسے ہیں جسے خدا کی طرف سے وحی ملے اور وحی کو کتابِ خداوندی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی نبی ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا جو صاحبِ وحی، یعنی صاحبِ کتاب نہ ہو۔ اور سورۂ حدید میں ہے۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (۵۷/۲۵) "ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا اور ان سب کے ساتھ کتابیں نازل کیں" یعنی کوئی رسول ایسا نہیں تھا جو صاحبِ کتاب نہ ہو۔

واضح رہے کہ بات یہ نہیں تھی کہ انبیاء کا کوئی الگ گروہ تھا جنہیں الگ کتابیں ملی تھیں اور رسولوں کا کوئی الگ گروہ۔ انبیاء، رسول تھے اور رسول انبیاء، اس لئے کبھی یہ کہا جائے گا کہ فلاں کتاب، فلاں نبی کو ملی تھی اور کبھی یہ کہ وہ کتاب اس رسول کو ملی تھی۔ یہ وجہ ہے جو قرآن میں ایک ہی فرد کہیں نبی کہہ کر پکارا گیا ہے کہیں رسول کہہ کر۔ خود نبی اکرمؐ کو کہیں رسول کہا گیا ہے۔ مثلاً مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ (۴۸/۲۹) کہیں نبی، يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ (۸/۶۴) اور کہیں رسول و نبی دونوں القاب سے

آپؐ کو مخاطب و متعارف کرایا گیا ہے جیسے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ (۷/۱۵۸)۔ سورۃ النساء میں پہلے کہا۔ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ۔ اے رسولؐ! ہم نے تیری طرف اس طرح وحی بھیجی جس طرح نوحؑ اور نوحؑ کے بعد دیگر انبیاء کی طرف بھیجی۔ یہاں حضرت نوحؑ اور ان کے بعد آنے والوں کو انبیاء کہا ہے۔ اس کے بعد ان آنے والوں کے نام گنوائے ہیں۔ "ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ، عیسٰیؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمٰنؑ، داؤدؑ"۔ اور اس کے بعد کہا۔ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ...... رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ (۴/۱۶۳-۱۶۵) یعنی پہلے انہیں انبیاء کہا اور پھر رسول۔ انہی کے متعلق دوسری جگہ ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحُکْمَ وَ النُّبُوَّۃَ (۶/۸۴-۹۰) "انہیں خدا نے کتاب، اور حکومت اور نبوت دی"۔ اس سے ظاہر ہے کہ جسے نبوت ملتی تھی اسے کتاب بھی ملتی تھی۔

قرآنِ کریم کی رُو سے اجزائے ایمان پانچ ہیں۔ اللہ، ملائکہ، کتب، رُسل اور آخرت۔ ان اجزاء کے متعلق ایک مقام پر کہا گیا ہے...... مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ الْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ (۲/۱۷۷) اور دوسری جگہ کہا۔ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ (۲/۲۸۵)۔ یعنی ایک جگہ انبیاء کہا اور دوسری جگہ رُسل۔

ان تصریحات (اور قرآنِ کریم کے ایسے ہی دیگر مقامات) سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نبیؐ اور رسولؐ ایک ہی سکہ کے دو رُخ اور ایک ہی حقیقت کے دو گوشے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ایک ہی فرد، خدا سے علم پانے کی جہت سے نبیؐ کہلاتا ہے۔ اور اس علم (وحی) کو آگے پہنچانے کی جہت سے رسولؐ۔

لیکن آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ ہمارے ہاں یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ نبیؐ اور رسولؐ میں فرق ہوتا ہے۔ رسول صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت۔ اور نبی بلا کتاب ہوتا ہے۔ نبیؐ کسی رسول کا تبع اور اس کی شریعت پر عمل کرانے کے لئے آتا ہے۔ اپنی کوئی کتاب نہیں لاتا۔ اس عقیدہ کی بنیاد روایات پر ہے۔ یہ دوسرا مقام ہے جہاں مسلمان اپنے فریقِ مقابل ("احمدی" حضرات) سے مات کھا جاتے ہیں۔ لیکن معیار اگر قرآنِ کریم کو رکھا جائے تو پھر "احمدی" حضرات کا دعویٰ باطل قرار پا جاتا ہے۔ (تفصیل اس کی ساتویں باب میں ملے گی، جہاں احمدیؐ حضرات کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے گا)۔

یہاں ایک اور دلچسپ سوال سامنے آتا ہے۔ نبیِ اکرمؐ کے خاتم الانبیاء ہونے کے سلسلے میں جو آیت

قرآن مجید میں آتی ہے وہ یوں ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (33/40) "محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ وہ خدا کے رسول ہیں اور خاتم النبیین۔"

ہمارے ہاں کے مروجہ عقیدہ کی رُو سے "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا نے صرف نبیوں کا سلسلہ ختم کیا ہے جنہیں کتاب نہیں ملتی تھی۔ رسولوں کا سلسلہ ختم نہیں کیا۔ لہٰذا اس آیت کی رُو سے نبی اکرمؐ کے بعد نبی تو نہیں آسکتا تھا، رسول مع اپنی کتاب کے آسکتا تھا۔ بہائیوں کا یہی دعویٰ ہے۔ وہ بہاء اللہ کو صاحب کتاب رسول مانتے ہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کریم کے خلاف ایک عقیدہ کس کس انداز کی الجھنیں پیدا کرتا ہے! ہمارے علماء حضرات ان الجھنوں کو حل کرنے کی ناکام کوششوں میں تو عمریں صرف کردیں گے لیکن اس خلافِ قرآن عقیدہ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

خاتم النبیینؐ

"احمدی" حضرات کے ساتھ مباحثوں اور مناظروں میں نقطۂ ماسکہ "خاتم النبیین" کی اصطلاح ہوتی ہے اس لحاظ سے اسے اس مسئلہ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس اصطلاح کی اس مسئلہ کے ضمن میں، وہ اہمیت ہے ہی نہیں جو اسے دی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، نبی اکرمؐ کے سلسلۂ انبیاء کرام کی آخری کڑی ہونے کے متعلق قرآن کریم میں اس قدر دلائل و شواہد ہیں کہ اگر قرآن کریم میں یہ الفاظ نہ بھی آتے تو بھی حضورؐ کے آخری نبی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ ہوتا۔ بایں ہمہ، ہم اس مقام پر اس اصطلاح کی مختصر الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں۔ پہلے لفظ خاتم کے لغوی معنی دیکھئے۔

خَتْمٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو چھپا دینا اور ڈھانک دینا۔ اس طرح بند کرکے محفوظ کر دینا کہ اس کا کوئی حصہ باہر نہ نکل سکے۔ چنانچہ زمین میں ہل چلا کر اور بیج ڈال کر جو پہلی مرتبہ پانی دیتے ہیں اسے اہل عرب خَتَمَ الزَّرْعَ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ پانی دینے کے بعد مٹی جم جاتی ہے اور بیج مٹی کے اندر بند ہو کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتہ کے خانوں میں شہد جمع کرکے موم کا نہایت باریک سا پردہ خانوں کے منہ پر بنا دیتی ہیں جس سے شہد اندر بند اور محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسے بھی عرب خَتْمٌ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (اس

کے بعد خود شہد اور ان خانوں کے مُنہ کو بھی خَتْمٌ کہنے لگ گئے[1]۔

خَتَمَ الشَّیْءَ خَتْمًا کے معنی کسی چیز کے آخری سرے تک پہنچ جانے کے بھی ہیں[2]۔ ابنِ فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں۔ خَتْمٌ اور طَبْعٌ کا لفظ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی چیز پر لاکھ وغیرہ لگا کر مہر سے اس پر نشان لگا دینا۔ اور (۲) وہ نقش یا نشان جو اس طرح مہر لگانے سے بن جائے پھر قدرے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے کسی چیز کو بند کرنے اور روک دینے کے لئے بولا جانے لگا اس لئے کہ مہر لگا کر خط یا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور اس کے اندر کی چیز باہر نہیں نکالی جاتی[3]۔ خِتَامٌ اس لاکھ یا موم وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگائی جاتی ہے۔ اور خَاتَمٌ وہ چیز ہے (انگوٹھی وغیرہ) جس سے اس لاکھ پر مہر لگائی جاتی ہے۔ ہر چیز کا انجام اور آخر خَاتَمٌ کہلاتا ہے۔ چنانچہ خَاتَمُ الْقَوْمِ کے معنی ہیں قوم کا آخری فرد۔ ایسے ہی ہر پینے کی چیز کا خِتَامٌ اس کا آخری حصہ ہوتا ہے۔ (ابنِ فارس) فراء کا قول ہے کہ خَاتَمٌ اور خِتَامٌ دونوں قریب المعنی ہیں۔ فُلَانٌ خَتَمَ عَلَيْكَ بَابَهٗ کے معنی ہیں وہ شخص تجھ سے اعتراض برتتا ہے اور اپنا دروازہ تجھ پر بند کر لیتا ہے[4]۔

مرزا غلام احمد صاحب اپنے دعاوی کے ابتدائی ایام میں، بہ تکرار و اصرار "خاتم النبیین" کے معنی "آخری نبی" کرتے رہے (تفصیل ذرا آگے جا کر سامنے آئے گی) لیکن بعد میں انہوں نے اپنے مسلک میں تبدیلی کی اور کہا کہ 'خاتم النبیین' کے معنی ہیں "وہ جس کی مہرِ تصدیق سے دوسرے بھی نبی بن جائیں"۔ یہ مفہوم (اگر اسے مفہوم کہا جا سکے تو) قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیم کے یکسر خلاف، اور مقامِ نبوت سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، نبوت خدا کی طرف سے وہبی طور پر اس منتخب فرد کو ملتی تھی جسے خدا اپنی مشیت کے مطابق، اس منصبِ جلیلہ کے لئے مختص کر لیتا تھا۔ اس میں نہ اس فرد کی اپنی محنت و کاوش کو کسی قسم کا دخل ہوتا تھا اور نہ ہی کسی کو یہ اتھارٹی حاصل تھی کہ وہ اپنی مہرِ تصدیق سے دوسروں کو نبی بنا دے۔ قرآنِ کریم میں خود نبی اکرمؐ کے متعلق واضح الفاظ میں ہے کہ حضورؐ کو نبی بننے سے ذرا بھی پہلے اس کا علم نہیں تھا کہ آپ اس منصبِ جلیلہ پر فائز کئے جانے والے ہیں، چہ جائیکہ حضورؐ اپنی تصدیق سے دوسروں کو نبی بنا سکتے۔ پھر حضورؐ کی طرف سے "مہرِ تصدیق" کا ثبوت کیا؟ اگر حضورؐ دنیا میں تشریف رکھتے اور (بالفرضِ محال) اپنے ہاتھ سے کسی کو نبوت کا سرٹیفکیٹ عطا فرما دیتے

---

[1] تاج [2] تاج [3] راغب و تاج۔ نیز ابن قتیبہ (القرطین ج ۱ ص ۱۱۱) [4] تاج۔

تو اسے مہرِ تصدیق تسلیم کیا جا سکتا تھا. لیکن آج کسی کا خود ہی نبوّت کا دعویٰ کر دینا اور خود ہی یہ کہہ دینا کہ مجھے یہ نبوّت، رسول اللہ کی مہرِ تصدیق سے حاصل ہوئی ہے، بارگاہِ خداوندی اور حضور رسالتمآبؐ میں اتنی بڑی جسارت ہے جس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا. انسان جب بیباک ہو جاتے تو اس کی حدود فراموشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی.

عقیدہ ختمِ نبوّت کی اہمیت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ختمِ نبوت کے عقیدہ کی اہمیّت کیا ہے! اس اہمیت کے متعدد گوشے ہیں جن میں سے سرِ دست ایک گوشہ سامنے لایا جاتا ہے. ہم دیکھ چکے ہیں کہ،

۱. انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے.

۲. اگر انسان کے اختیارات کو غیر محدود چھوڑ دیا جائے تو اس سے افرادِ معاشرہ کے مفاد میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ خوں ریزی اور فساد انگیزی ہے.

۳. وحی وہ حدود مقرر کرتی ہے جس کے اندر رہتے ہوئے مختلف افرادِ معاشرہ اپنا اختیار و ارادہ استعمال کر سکتے ہیں. اس سے معاشرہ کا توازن برقرار رہتا ہے.

۴. بالفاظِ دیگر، وحی، انسانی آزادی پر پابندیاں عائد کرتی ہے.

جب تک وحی کا سلسلہ جاری تھا، کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ایک آنے والا رسول، وحیِ خداوندی کی رُو سے اس کے اختیارات پر کس قسم کی پابندیاں عائد کر دے گا. ختمِ نبوّت نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ انسانی اختیار و ارادہ پر جس قدر پابندیاں عاید کی جانی مقصود تھیں ان سب کی صراحت خدا کی آخری وحی (قرآن مجید) میں کر دی گئی ہے. جو انسان وحی کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہے، وہ قرآن کو دیکھ لے اور اپنا اطمینان کر لے کہ یہ ہیں وہ حدود جن کے اندر رہتے ہوئے مجھے زندگی بسر کرنی ہے. اس کے بعد اسے اس امر کی ضمانت مل جائے گی کہ اس کی پابندی اور آزادی کی حدود میں نہ کوئی تغیّر و تبدل ہوگا، نہ کوئی مزید پابندی عائد کی جا سکے گی. یہ ضمانت، نوعِ انسان کے لئے بہت بڑی رحمت ہے. اس سے واضح ہے کہ ختمِ نبوّت وہ ضمانتِ خداوندی ہے جس کی رُو سے انسان اپنی آزادی کی طرف سے حتمی اور یقینی طور

پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبات میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اسلام کا ظہور استقرائی فکر (INDUCTIVE INTELLECT) کا ظہور ہے اس میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچ گئی اور اس تکمیل سے اس نے خود اپنی خاتمیت کی ضرورت کو بے نقاب دیکھ لیا۔ اس میں یہ لطیف نکتہ پنہاں ہے کہ زندگی کو ہمیشہ کے لئے عہدِ طفولیت کی حالت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اسلام نے مذہبی پیشوائیت اور وراثتی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ قرآنِ مجید غور و فکر اور تجربات و مشاہدات پر بار بار زور دیتا ہے اور تاریخ اور فطرت دونوں کو علم انسانی کے ذرائع ٹھہراتا ہے۔ یہ سب اسی مقصد کے مختلف گوشے ہیں جو ختمِ نبوت کی تہ میں پوشیدہ ہیں۔ پھر عقیدہ ختمِ نبوت کی ایک بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ .... اب نوعِ انسانی کی تاریخ میں کوئی شخص اس امر کا مدعی نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی مافوق الفطرت اختیار (SUPER NATURAL AUTHORITY) کی بنا پر دوسروں کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ ختمِ نبوت کا عقیدہ ایک ایسی نفسیاتی قوت ہے جو اس قسم کے دعویٰ اقتدار کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ (ص ۱۲۰)

اسی بناء پر انہوں نے آگے جا کر کہا ہے کہ:

اس عقیدہ کی حامل قوم کو دنیا میں سب سے زیادہ آزاد قوم ہونا چاہیئے۔ (ص ۱۲۱)

یہ ہے عقیدۂ ختمِ نبوت کی اہمیت کا اوّلین گوشہ: اس عقیدہ کی موجودگی میں کوئی شخص ہم سے آکر یہ نہیں کہہ سکتا کہ خدا نے تمہیں میری وساطت سے یہ حکم دیا ہے۔ تم پر اس کی پابندی لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو تم پر خدا کا غضب نازل ہو جائے گا۔ اس مقام پر اسے پھر دہرا لینا چاہیئے کہ

۱۔ وحی کے معنی ہیں خدا سے براہِ راست علم حاصل ہونا اور

ختمِ نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب کوئی شخص ایسا نہیں کہہ سکتا کہ اسے خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے۔ جو ایسا کہے گا کہ وہ ختمِ نبوت کا منکر اور مدعیٔ نبوت ہوگا۔ اور اس کا یہ دعویٰ از روئے قرآن جھوٹا ہوگا۔

اس کے بعد آگے بڑھیے۔ مسلمانوں نے ختمِ نبوت کے عقیدہ پر تو اتنا زور دیا (اور زور دینا بھی چاہیئے تھا) لیکن (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے) اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی وضع کر لیا کہ خدا کے برگزیدہ انسانوں کو اب

عقیدۂ کشف و الہام کے عملی نتائج

بھی خدا کی طرف سے براہ راست علم ملتا ہے۔ انہیں اولیاء اللہ یا صوفیائے کرام کہا جاتا ہے' اور ان کے اس علم کو کشف و الہام. آپ نے غور کیا کہ اس عقیدہ سے ختم نبوت کی مہر کس طرح ٹوٹ گئی اور جس دروازے کو خدا نے بند کیا تھا وہ کس طرح چوپٹ کھل گیا. انبیاء تو پھر بھی کچھ کچھ عرصہ کے بعد آیا کرتے تھے. یہ حضرات قریہ قریہ اور بستی بستی پیدا ہونے شروع ہو گئے. اعتراض سے بچنے کے لئے یہ کہہ لیا کہ ان کا علم وحی نہیں بلکہ کشف و الہام ہے. ان کا نام نبی یا رسول نہیں بلکہ اولیاء اللہ ہے. اور جو مافوق الفطرت کارنامے ان سے سرزد ہوتے ہیں وہ معجزات نہیں کرامات ہیں. یعنی صرف نام بدل دینے سے مطمئن ہو گئے کہ ہم عقیدہ ختم نبوت کی خلاف ورزی نہیں کر رہے' یہ حضرات پیش گوئیاں بھی کرتے ہیں اور اپنے احکام بھی صادر فرماتے ہیں. کبھی کھلے الفاظ میں اور کبھی یہ کہہ کر کہ قرآن مجید کے فلاں حکم کے باطنی معنی یہ ہیں اور یہی اس کا حقیقی مفہوم ہے. جہاں تک ان کے احکام کی تکمیل کا تعلق ہے' ان کے ماننے والے' احکام شریعت کی تو کھلے بندوں خلاف ورزی کر لیتے ہیں لیکن ان حضرات کے ارشادات کے خلاف دل کی گہرائیوں میں بھی کوئی وسوسہ پیدا نہیں ہونے دیتے. اگر کبھی ایسا ہو جائے تو ان پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے کہ نہ معلوم مجھ پر کیا غضب نازل ہو جائے گا. نتیجہ اس کا یہ کہ جس قوم کو دنیا کی سب سے زیادہ آزاد قوم ہونا چاہیئے تھا' وہ سب سے زیادہ غلام بن گئی ___ نہ صرف زندہ انسانوں کی غلام' بلکہ مُردوں کی بھی غلام حتیٰ کہ ان پتھروں کی بھی غلام جن کے اندر اُن حضرات کی لاشیں دفن ہوں.

میں نے اوپر کہا ہے کہ جہاں تک کشف و الہام کا تعلق ہے' یہ صرف نام کا فرق ہے حقیقت کے اعتبار سے ان میں اور وحی میں کوئی فرق نہیں ہوتا. شیخ اکبر محی الدین ابن عربی' اس طائفہ کے سرخیل قرار دیئے جاتے ہیں. سنیئے کہ وہ اس باب میں کیا کہتے ہیں. وہ اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں.

ابن عربی کے دعاوی

> جس مقام سے نبی لیتے تھے اسی مقام سے انسانِ کامل' صاحب الزماں' غوث' قطب لیتے ہیں. اگرچہ اولیاء' انبیاء کے تابع ہوتے ہیں لیکن صاحبِ وحی دونوں ہوتے ہیں..... اربابِ شریعت تو وہ ہیں جو قرآن و حدیث سے حکم دیتے ہیں. قرآن و حدیث سے مصرح حکم نہیں ملتا تو قیاس کرتے ہیں' اجتہاد کرتے ہیں. مگر اس اجتہاد کی اصل وہی منقول قرآن و حدیث ہوتے ہیں. اس کے برعکس ہم ہیں ایسے

لوگ بھی ہیں جو اس چیز کو اپنے کشف و الہام کے ذریعے خود اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں..... اس طور پر مادۂ کشف و الہام اور مادۂ وحیِ رسول ایک ہے..... صاحبِ کشف اللہ تعالیٰ سے لینے کے طریقے سے واقف ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین کے موافق ہے..... ان کا اللہ تعالیٰ سے لینا عین رسولؐ اللہ کا لینا ہے۔

آپ غور کیجئے کہ لفظی فرق کو چھوڑ کر حقیقت کے اعتبار سے، نبی کی وحی اور ان حضرات کے کشف و الہام میں کچھ بھی فرق ہے؟ اور کیا کشف و الہام کے امکان کو تسلیم کر لینے کے بعد عقیدہ ختمِ نبوت باقی رہ جاتا ہے؟ کہا یہ جاتا ہے کہ کشف و الہام کسی دوسرے کے لئے سند اور حجت نہیں ہوتا۔ لیکن (اوّل تو) سوال سند و حجت ہونے یا نہ ہونے کا نہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا ختمِ نبوت کے بعد خدا سے براہِ راست علم حاصل کرنے کا امکان رہتا ہے؟ جہاں تک کشف و الہام کے سند و حجت ہونے کا تعلق ہے، ان حضرات کے وابستگانِ دامن کے نزدیک، قرآن و حدیث کا حکم اس قسم کی سند و حجت نہیں ہوتا جس قسم کی سند و حجت ان حضرات کا کشف و الہام ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ان کے عقیدت مند، ان کے کشف و الہام کے خلاف دل کی گہرائیوں میں بھی کسی قسم کا شک و شبہ پیدا ہو جانا مستوجبِ غضبِ خداوندی سمجھتے ہیں۔

یاد رکھئے، کشف و الہام کا کوئی تصور قرآن میں نہیں دیا گیا۔ جہاں تک اولیاء اللہ کا تعلق ہے، قرآن ان کا کوئی الگ گروہ قرار نہیں دیتا۔ وہ ولی اللہ (خدا کا دوست یا مطیع و فرماں بردار) ہونا مومنین ہی کی ایک صفت قرار دیتا ہے۔ یعنی قرآن کریم کی رُو سے ہر مومن ولی اللہ ہوتا ہے۔ اس قسم کے تمام تصورات ہم نے دوسروں سے مستعار لئے ہیں۔ "تصوّف" علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں "اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا ہے۔" (مکاتیبِ اقبال حصہ اوّل، ص۴۴)

کشف و الہام کی حقیقت کے متعلق تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ اس جگہ صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ انسان کے اندر کچھ ایسی صلاحیتیں ہیں (مثلاً قوّتِ ارادی وغیرہ) کہ اگر مقررہ ریاضتوں اور مراقبوں کے ذریعے ان میں ارتکاز (CONCENTRATION) پیدا کر دیا جائے تو ذہنِ انسانی میں عجیب و غریب قسم کے تصوّرات و تخیّلات اُبھرنے شروع ہو جاتے ہیں یا اس قسم کے کرشمے ظہور میں آنے شروع ہو جاتے ہیں جو عام لوگوں کے نزدیک محیّرالعقول ہوتے ہیں — لیکن یہ ایک فنّی چیز ہے جسے دین سے کوئی تعلق نہیں۔ جو چاہے اسے کثرتِ ممارست سے حاصل کر سکتا ہے۔ (راقم الحروف یہ منازل خود طے کر چکا ہے۔ اس لئے جو کچھ بیان کیا

جارہا ہے، وہ شنید نہیں ذاتی تجربہ ہے۔ یہ تجربہ میں نے خانقاہوں سے بھی حاصل کیا اور سنیاسیوں، جوگیوں کی سمادھیوں سے بھی۔ تفصیل اس اجمال کی میری کتاب "شاہکارِ رسالت" میں ملے گی)۔ علامہ اقبالؒ اس باب میں لکھتے ہیں:۔

> آج کل کا مسلمان یونانی اور ایرانی تصوّف کی ان تاریک وادیوں میں بے مقصد و بے مدعا ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرنے کو ترجیح دیتا ہے، جس کی تعلیم یہ ہے کہ گردوپیش کے حقائق ثابتہ سے آنکھیں بند کرلی جائیں اور توجہ اس نیلی پیلی، سُرخ روشنی پر جمادی جائے جسے "اشراق" کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت دماغ کے ان خانوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے جو ریاضت کی کثرت اور تواتر کے باعث ماؤف ہو چکے ہوں۔ میرے نزدیک یہ خودساختہ تصوّف اور فنائیت یعنی حقیقت کو ایسے مقام پر تلاش کرنا جہاں اس کا وجود ہی نہ ہو، دراصل ایک بدیہی علامت ہے جس سے عالمِ اسلام کے رُو بہ انحطاط ہونے کا سراغ ملتا ہے۔ (علامہ اقبالؒ کا یہ مضمون "اسلام اور تصوّف" کے عنوان سے لکھنؤ سے شائع ہونے والے اخبار "نیو ایرا" کی ۲۸ جولائی ۱۹۱۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا)۔

یہ ہے "کشف و الہام" کی حقیقت۔ اسی بنا پر، علامہ اقبالؒ نے، ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کے متعلق (جس کا ایک اقتباس پیش کیا جاچکا ہے) کہا ہے کہ اس میں الحاد و زندقہ کے سوا کچھ نہیں۔ (مکاتیبِ اقبالؒ)۔ بہرحال موضوعِ زیرِ نظر کی نسبت سے ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ، کسی کو اب بھی خدا سے براہِ راست علم حاصل ہو سکتا ہے ختمِ نبوّت کی مہر کو توڑ دیتا ہے، خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ اس قسم کے عقائد کس طرح دعوائے نبوّت کے لئے راہیں ہموار کرتے ہیں۔ اس کے متعلق آگے چل کر بات کی جائے گی۔

یہ ہے تیسرا مقام جس پر مسلمان اپنے فریقِ مقابل ("احمدی" حضرات) سے بُری طرح مات کھا جاتے ہیں، تفصیل اس کی بعد میں سامنے آئے گی۔

آنے والے کا عقیدہ

اب ایک قدم آگے بڑھئے۔ ختمِ نبوّت کا عقیدہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں تھا۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک

کے ہاں "ایک آنے والے" کا عقیدہ پیدا ہوگیا۔ یہودیوں نے کہا کہ ایک مسیحا آئے گا جو ان کی تمام مصیبتوں کو حل کردے گا۔ عیسائیوں نے کہا کہ حضرت مسیحؑ زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ وہ آخری زمانے میں آئیں گے اور عیسائیت کا غلبہ قائم کردیں گے۔ ہندو، آخری زمانے میں کلنکی اوتار کے منتظر ہیں۔ بدھ مت کے پیرو متیا بدھ کے منتظر۔ مجوسی (پارسی) بھی، عیسائیوں کی طرح اپنے نبی متراکو زندہ آسمان پر تصور کرتے اور آخری زمانے میں اس کی آمد کے منتظر ہیں۔ انہوں نے اس باب میں (عیسائیوں کے مقابلہ میں) اتنی تبدیلی کی کہ وہ آنے والا وہی پہلا متر انہیں ہوگا۔ اس کا ظل یا بروزیا مثیل ہوگا۔ قرآن آیا اور اس نے ان تمام مذاہب سے پکار کر کہہ دیا کہ تم جس آنے والے کے انتظار میں ہو، وہ رسول کافۃً للناس آگیا ہے۔ یہی تمہارا نجات دہندہ ہے۔ اسی کے اتباع سے اس دین کو غلبہ حاصل ہوگا جسے تمہارے نبی نے اصلی شکل میں پیش کیا تھا۔ اس نبی آخر الزماں نے وہ سب کچھ کرکے دکھا دیا جس کے دیکھنے کے وہ لوگ منتظر تھے۔ وہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد دنیا سے تشریف لے جانے والے تھے تو خدا نے اعلان کردیا کہ اب ہماری طرف سے کوئی نہیں آئے گا۔ اس لئے تمہیں کسی آنے والے کا انتظار نہیں کرنا ہوگا۔ جو راہ نمائی ہم نے دینی تھی اسے اپنی کتاب (قرآنِ مجید) میں مکمل کرکے محفوظ کردیا اور اس رسولؐ نے اس پر عمل کرکے دکھا دیا۔ اب اس مشعلِ آسمانی کی روشنی اور اس رسول کے اسوۂ حسنہ کے اتباع میں تم نے اپنی زندگی کی راہیں آپ قطع کرنی ہوں گی۔ اب تم جوان ہوگئے ہو۔ اگر کسی مقام پر تمہارا پاؤں پھسل گیا تو تمہیں ہمت کرکے خود ہی اُٹھنا ہوگا۔ اب تمہاری انگلی پکڑ کر اٹھانے والا کوئی نہیں آئے گا۔ یہ ہے ختمِ نبوت کی اہمیت کا دوسرا گوشہ یعنی اس سے انسان میں خود اعتمادی پیدا کردی۔ خدا نے تو یہ اعلان کیا لیکن ہم نے دوسرے اہلِ مذاہب کی طرح اپنے ہاں بھی "آنے والے" کا عقیدہ وضع کرلیا ہر صدی کے آخر ایک مجدد۔ آخری زمانہ میں امام مہدیؑ اور ان کے ساتھ آسمان سے نازل ہونے والے حضرت عیسیٰؑ ——— ہم نے ان مجددین اور امام مہدی کو نبی تو نہ کہا کہ اس سے ہمارے دل میں کھٹکا پیدا ہوتا تھا کہ یہ بات عقیدہ ختمِ نبوت کے خلاف ہوگی۔ لیکن درحقیقت ہم نے انہیں بھی اسی بنیادی خصوصیت کا حامل قرار دے دیا جو خاصۂ نبوت تھی۔ یعنی خدا سے براہِ راست علم حاصل ہونا۔ حضرت عیسیٰؑ کے ضمن میں دقت پیش آتی تھی کہ وہ خدا کے نبی تھے۔ اس لئے انہیں ان کی واپسی پر نبی تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ اس دشواری کے حل کے لئے یہ کہا گیا کہ وہ ہوں گے تو نبی ہی لیکن رسول اللہ کی اُمت میں ہوں گے۔ اس لئے انہیں اُمتی نبی قرار دیا گیا۔

مجدد، مہدی، مسیح

قرآنِ کریم میں نہ کسی مجدد کا ذکر ہے نہ مہدی کا۔ اور نہ ہی حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ بذاتِ خود تشریف لانے کا۔ یا ان کے مثیل کے آنے کا۔ "مسیح موعود" کی اصطلاح بھی غیر قرآنی ہے۔ اس میں کسی مسیح کے آنے کا وعدہ نہیں کیا گیا۔ یہ تمام نظریات ہمارے ہاں روایات کے ذریعے جزوِ اسلام بن گئے (ان نظریات کا سرچشمہ کونسا ہے اور یہ کس طرح جزوِ اسلام بن گئے۔ اسے میں نے اپنی کتاب ۔"شاہکارِ رسالت"۔ میں شرح و بسط سے بیان کیا ہے)۔ چونکہ یہ تصورات بنیادی طور پر ختمِ نبوت کے نقیض تھے اس لئے انہوں نے بھی دعوئے نبوت کے لئے راستے کھول دیئے۔ میں نے شروع میں کہا ہے کہ ریاست بہاولپور کی عدالت میں یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیرِ سماعت رہا اور ہندوستان کے جید علمار کرام نے حصہ لیا لیکن فاضل جج کو یہ کہنا پڑا کہ ان حضرات کی اس قدر طول طویل بحثوں کے باوجود' ان پر مقامِ نبوت واضح نہیں ہوسکا اور وہ ختمِ نبوت کی کنہ و حقیقت کو سمجھ نہیں سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ تمام حضرات مانتے تھے کہ براہِ راست خدا سے علم حاصل کرنے کا امکان' رسول اللہ کے بعد بھی باقی ہے اور ایسا علم حاصل کرنے والے حضورؐ کے بعد آتے رہیں گے۔ اس عقیدہ کی موجودگی میں نہ حقیقتِ نبوت واضح ہوسکتی ہے، نہ ختمِ نبوت کی اہمیت مبرہن۔ اس کے برعکس' یہ عقیدہ' دعوئے نبوت کے حق میں دلائل مہیا کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔ آیئے' ہم دیکھیں کہ ایسا کس طرح ہوا۔

اور یہاں سے بات کا رُخ' قادیان کے مرزا غلام احمد صاحب کے دعاوی کی طرف مڑ جاتا ہے۔

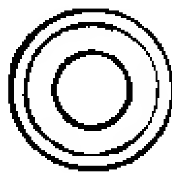

تیسرا باب

تدریجی نبی
مرزا صاحب کے دعاوی

ابتدائی حالات

مرزا صاحب اپنے ذاتی کوائف اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

اب میرے سوانح اس طور پر ہیں کہ میرا نام غلام احمد، والد صاحب کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پردادا کا نام گل محمد تھا..... ہماری قوم مغل برلاس ہے...... میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی[1]

(کتاب البریہ، ص ۱۳۴ الآخر)

میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب دربار گورنری میں کرسی نشین بھی تھے اور سرکار انگریزی کے ایسے خیر خواہ اور دل کے بہادر تھے کہ مفسدہ ۱۸۵۷ء میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس جوان جنگ جُو بہم پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ گورنمنٹ عالیہ کی مدد کی تھی۔

(تحفہ قیصریہ، ص ۱۶)

مرزا صاحب نے (کتاب البریہ میں) لکھا ہے کہ ان کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ سیالکوٹ کچہری میں (بطور اہلمد) ملازم رہے اور وہاں سے مستعفی ہونے کے بعد گھر کے دھندوں (زمینداری کے کاموں) میں مصروف ہو گئے۔

---

[1] لیکن ربوہ سے شائع ہونیوالے ماہنامہ انصار اللہ کی مئی ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی پیدائش ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء کو ہوئی تھی۔

مرزا صاحب کی علمی زندگی (جس سے وہ ملک میں متعارف ہوئے) ۱۸۸۰ء میں شروع ہوئی جب انہوں نے اپنی سب سے پہلی تصنیف "براہینِ احمدیہ" کی جلد اوّل شائع کی' اس زمانے میں مباحثوں اور مناظروں کا بڑا زور تھا۔ ایک طرف ہندوؤں کے فرقہ آریہ سماج کے بانی' پنڈت دیانند' اسلام پر مسلسل حملے کر رہے تھے۔ دوسری طرف سے' پادری فنڈل کی سربراہی میں عیسائی پادری' مسلمانوں کے خلاف مذہبی میدان میں نبرد آزما تھے۔ براہینِ احمدیہ ان مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی اور اس وجہ سے اس نے ملک میں کافی شہرت حاصل کر لی۔ یہ جو "احمدی" حضرات اکثر کہتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے اکابرین اور مشاہیر نے مرزا صاحب کی اسلامی خدمات کو سراہا ہے تو یہ اسی زمانے کی بات ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کے لئے مرزا صاحب نے مسلمانوں سے مالی مدد کی اپیل کی اور کافی روپیہ جمع ہو گیا۔ انہوں نے پہلے یہ کہا کہ یہ کتاب بڑی جامع ہو گی اور پچاس حصوں پر مشتمل' لیکن بعد میں اس میں یوں ترمیم کر دی کہ :-

> پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا۔ اور چونکہ پچاس اور پانچ میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے۔ اس لئے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا۔
>
> (دیباچہ براہینِ احمدیہ حصہ پنجم' ص ۷)

اس کتاب کے پہلے چار حصے ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک مسلسل شائع ہو گئے۔ لیکن پانچویں حصہ کی اشاعت معرضِ التوا میں ڈال دی گئی۔ یہ حصہ (مرزا صاحب کی وفات کے بعد) ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ یہ التوا دانستہ کیا گیا تھا۔ اس کتاب کے پہلے چار حصوں میں مرزا صاحب نے اپنے آپ کو صوفیائے کرام کی طرح محض دلایت اور کشف و الہام تک محدود رکھا تھا۔ اور چونکہ اس قسم کا دعویٰ' مسلمانوں کے نزدیک قابلِ اعتراض نہیں تھا۔ اس لئے' نہ صرف یہ کہ مرزا صاحب کی کوئی مخالفت نہ ہوئی بلکہ ان کی مذہبی خدمات کو سراہا بھی گیا۔ اس دوران میں ان کے خیالات میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں' اس کے متعلق خود انہی کے الفاظ میں سنئے۔ وہ لکھتے ہیں :-

> پھر میں تقریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے' بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شدّ و مد سے براہین میں "مسیح موعود" قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمدِ ثانی کے رسمی عقیدہ پر جما رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے تب وہ وقت آ گیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے تو تواتر سے اس بارے میں الہامات

شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔　　(اعجازِ احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص۶)

یعنی براہینِ احمدیہ کی اشاعت (۱۸۸۰ء) کے بعد قریب بارہ سال تک انہوں نے کبھی اور دعوے نہیں کیا۔ اور (۱۸۹۲ء میں) مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا[1]۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ اسے مرزا صاحب کے صاحبزادہ اور خلیفہ ثانی میاں محمود احمد کے الفاظ میں سنئے۔ وہ لکھتے ہیں:-

> تریاق القلوب کی اشاعت تک (جو کہ اگست ۱۸۹۹ء سے شروع ہوئی اور اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ختم ہوئی) آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ آپ* کو حضرت مسیح پر جزوی فضیلت ہے اور آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کی جزوی نبوت ہے اور ناقص نبوت۔ لیکن بعد میں آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک شان میں مسیح سے افضل ہیں اور کسی جزوی نبوت کے پانے والے نہیں بلکہ نبی ہیں۔ ہاں ایسے نبی جن کو آنحضرتؐ کے فیض سے نبوت ملی۔ پس ۱۹۰۲ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں ہو سکتا۔
>
> (القول الفصل ص۲۴ مصنفہ میاں محمود احمد)

دوسرے مقام پر میاں صاحب لکھتے ہیں۔

> اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۰۱ء ہی میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے اور ۱۹۰۰ء ایک درمیانی عرصہ ہے۔ پس یہ ثابت ہے کہ ۱۹۰۱ء کے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔
>
> (حقیقۃ النبوۃ، ص۱۲۱ مصنفہ میاں محمود احمد)

(ضمناً آپ اس اقتباس کے آخری الفاظ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔ کیونکہ ان سے "احمدیوں" کی قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کی باہمی چپقلش کی حقیقت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے..... تفصیل بعد میں پیش کی جائے گی)۔

اس سے مرزا صاحب کی زندگی کے تین دَور نمایاں طور پر سامنے آجاتے ہیں۔ پہلا دَور، وہ امتِ مسلمہ

---

[1] ماہنامہ انصار اللہ (ربوہ) کی مئی ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کو مارچ ۱۸۸۲ء کو ماموریت کی خلعت سے نوازا گیا۔ اور ۱۸۹۱ء کے آخر میں آپ پر یہ انکشاف ہوا کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔

کے مبلغ کی حیثیت سے ۱۸۸۰ء میں شروع کرتے ہیں اور کشف و الہام سے زیادہ کوئی دعوے نہیں کرتے ۱۸۹۲ء میں وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ۱۹۰۱ء میں مستقل نبوت کا 'جو ان کی وفات (۱۹۰۸ء تک) قائم و دائم رہتا ہے۔ اس تمام دوران میں (جبکہ انہوں نے 'بقول ان کے' قریب اسی کتابیں شائع کر دیں) وہ براہین احمدیہ کا پانچواں حصہ شائع نہیں کرتے۔ اس کی وجہ خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> اور یہ الہامات (یعنی جن میں نبوت وغیرہ کے دعوے کئے گئے ہیں۔ مصنف) اگر میری طرف سے اس موقع پر ظاہر ہوتے جبکہ علماء مخالف ہو گئے تھے تو وہ ہزارہا اعتراض کرتے۔ لیکن وہ ایسے موقع پر شائع کئے گئے جبکہ یہ علماء میرے موافق تھے۔ یہی سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوش کے ان الہامات پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ ان کو قبول کر چکے تھے۔ اور سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ میرے دعوے مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی الہامات سے پڑی ہے اور انہی میں خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا۔ اور جو مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس پیچ میں پھنس گئے۔ (اربعین نمبر ۲، صفحہ ۲۱)

پیچ میں پھنسانے کے لئے

مرزا صاحب کی تدریجی نبوت کا سارا راز اقتباس بالا کے آخری الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ یعنی انہوں نے پہلے کشف و الہام اور ولایت کے ایسے دعاوی کئے جو مسلمانوں کے نزدیک قابلِ اعتراض نہ تھے۔ پھر اپنے الہامات میں ایسا ابہام رکھا کہ نظر بظاہر ان میں کوئی بات قابلِ مواخذہ دکھائی نہ دے۔ یوں انہوں نے لوگوں کو اپنے "پیچ میں پھنسایا" اور رفتہ رفتہ دعوئے ولایت سے نبوت تک پہنچ گئے۔ آئیے اب ہم ان سیڑھیوں کو دیکھیں جن پر چڑھ کر وہ بامِ نبوت تک پہنچے۔

ابتدائی اعلان

میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہلِ سنت جماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعیٔ نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحیٔ رسالت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔

(اعلان مورخہ ۲/ اکتوبر ۱۸۹۱ء
مندرجہ تبلیغ رسالت، جلد دوم، ص ۲
مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

دعوائے ولایت

ان پر واضح رہے کہ ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحیٔ نبوت نہیں بلکہ وحیٔ ولایت جو زیر سایہ نبوتِ محمدیہ اور باتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔ اس کے ہم قائل ہیں..... غرض نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعوٰے ہے۔

(اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی صاحب، مورخہ ۲۰ شعبان ۱۳۱۴ھ
مندرجہ تبلیغ رسالت، جلد ششم، ص ۲-۳)

دوسری جگہ کہتے ہیں:-

یہ کہنا کہ نبوت کا دعوٰے کیا ہے، کس قدر جہالت، کس قدر حماقت، اور کس قدر حق سے خروج ہے۔ اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرتِ مکالمت و مخاطبتِ الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ اور مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی، ص ۶۸)

آپ اقتباس بالا کے خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے۔ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں کہ روایات کی رُو سے ہمارے ہاں یہ عام عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ خدا سے ہمکلام ہوتے ہیں اور انہیں کشف و الہام کے ذریعے خدا سے براہِ راست علمِ لدُنی حاصل ہوتا ہے۔ مرزا صاحب اپنے دعوائے ولایت کی تائید میں مسلمانوں کے اس عقیدہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور اس طرح فریقِ مقابل کو خاموش کر دیتے ہیں۔ اگر ان سے قرآن کریم کی بات پر

بات کی جاتی اور قدمِ اوّل ہی میں یہ کہہ دیا جاتا کہ ختمِ نبوّت کے بعد خدا سے مکالمہ اور مخاطبہ کا کوئی ثبوت قرآن سے نہیں ملتا۔ نہ ہی اس میں کشف والہام کا کوئی ذکر ہے۔ لہٰذا آپ کا (مرزا صاحب کا) یہ دعویٰ قرآن کے خلاف اور ختمِ نبوّت کے منافی ہے۔ تو بات وہیں ختم ہو جاتی۔ لیکن ان سے بحث کرنے والے علماء کشف والہام اور مخاطبہ و مکالمہ خداوندی کے خود قائل تھے۔ وہ ان کے دعویٰ کی تردید کس طرح کر سکتے تھے!

محدّث

ہمارے ہاں، اولیاء اللہ کے علاوہ، ایک اصطلاح محدّث (دال زبر کے ساتھ) بھی ہے۔ اس کے معنی بھی "خدا سے ہمکلام ہونے والا" ہیں۔ (اس کی تفصیلی بحث ساتویں باب میں ملے گی جہاں ہم "احمدیوں" کے دلائل کا تجزیہ کریں گے) مرزا صاحب نے ایک قدم آگے بڑھایا اور محدثیت کا دعویٰ کر دیا۔ فرمایا:۔

> ہمارے سید و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اس لئے شریعت میں نبی کے قائم مقام محدّث رکھے گئے ہیں۔
>
> (شہادت القرآن، ص ۲۸)

دوسری جگہ لکھا ہے:۔

> میں نبی نہیں ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے محدّث اور اللہ کا کلیم ہوں تاکہ دینِ مصطفےٰ کی تجدید کروں۔
>
> (آئینہ کمالات اسلام، ص ۳۸۳)

محدّث کا اگلا درجہ۔ برزخی نبوّت

> محدّث جو مرسلین میں سے اُمتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔ اُمتی وہ اس وجہ سے کہ وہ بہ کلی تابع شریعتِ رسول اللہ اور مشکوٰۃِ رسالت سے فیض پانے والا ہوتا ہے اور نبی اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نبیوں کا سا معاملہ اس کے ساتھ کرتا ہے۔ محدّث کا وجود انبیاء اور اُمم میں بطور برزخ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ وہ اگرچہ کامل طور پر اُمتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے۔ اور محدّث کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ نبی کا مثیل ہو اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہی نام پاوے جو اس نبی کا نام ہے۔ (ازالہ اوہام، ص ۵۶۹)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مرزا صاحب کس طرح محدثیت کے دعویٰ کو (جو مسلمانوں میں رائج تھا) آگے بڑھا کر نبوت تک لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں، اور اپنے مثیل مسیح ہونے کے دعوے کے لئے زمین ہموار کر رہے ہیں۔ نظر آتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق ہو رہا ہے۔ لیکن ان کے فرزند ارجمند (مرزا محمود صاحب) ان کی مدافعت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب ایسا کچھ دیدہ دانستہ نہیں کہہ رہے تھے۔ یہ ان کی "لاعلمی پر مبنی غلطی" تھی۔ ارشاد ہے۔

> حضرت اقدس اپنے دعوے کو کہتے تو محدثیت کا دعویٰ تھے مگر محدثیت کے جو معنیٰ تعریف اور کیفیت بیان کرتے تھے وہ درحقیقت نبوت کے معنیٰ تعریف اور کیفیت تھی۔..... اور آپ کا اپنے اس دعویٰ کو نبوت کے بجائے محدثیت کا دعویٰ قرار دینا آپ کی "لاعلمی پر مبنی غلطی" تھی کیونکہ یہ دعویٰ بلحاظ تعریف وکیفیت اور تفصیل درحقیقت نبوت کا دعویٰ تھا۔
>
> (حقیقۃ النبوۃ، صفحہ ۱۲۸-۱۲۴، از میاں محمود احمد
>
> بحوالہ پیغام صلح، لاہور، مورخہ ۷ مارچ ۱۹۷۱ء)

اتنا ہی نہیں۔

> حضرت اقدس کی مجالس میں مہینوں یہ چرچا رہتا تھا کہ نبوت کے بارے میں آپ کا اجتہاد درست نہیں نکلا۔
>
> (ملفوظات میاں محمود احمد۔ اخبار الفضل، مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۴۴ء
>
> بحوالہ پیغام صلح، ۷ مارچ ۱۹۷۱ء)

اس قسم کا تذبذب، مرزا صاحب کی "لاعلمی پر مبنی غلطی" ہو یا (خود مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں) مسلمانوں کو "پیچ میں پھنسانے کی ترکیب"۔ بہرحال یہ ان کی ذہنی سطح اور قلبی کیفیت کی صحیح صحیح آئینہ دار ہے۔

عقیدۂ ختم نبوت

عقیدۂ ختم نبوت، قلب مسلم کا نازک ترین گوشہ ہے۔ (اور ایسا ہونا بھی چاہیئے)۔ مرزا صاحب نے جب اپنے لئے نبی کا لفظ استعمال کیا تو اگرچہ اسے ابہام والتباس کے پردوں میں چھپانے کی پوری پوری کوشش کی لیکن اس کے باوجود اس خدشہ کا امکان تھا کہ اس سے مسلمانوں کے جذبات بھڑک

اٹھیں گے۔ اس خطرہ کی حفاظتی تدبیر کے لئے مرزا صاحب اپنے عقیدۂ ختم نبوت کا باصرار و تکرار اعلان کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں چند ایک اقتباسات درج ذیل ہیں۔

کیا تو نہیں جانتا کہ پروردگار رحیم و صاحب فضل نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغیر کسی استثنار کے خاتم النبیین نام رکھا اور ہمارے نبی نے اہل طلب کے لئے اس کی تفسیر اپنے قول لانبی بعدی میں واضح طور پر فرما دی۔ اگر ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز قرار دیں تو گویا ہم باب وحی بند ہو جانے کے بعد اس کا کھلنا جائز قرار دیں گے اور یہ صحیح نہیں جیسا کہ مسلمانوں پر ظاہر ہے اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کیونکر آسکتا ہے، درآنحالیکہ آپ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبیوں کا خاتمہ فرما دیا۔

(حمامۃ البشریٰ، صـ۳۴)

دوسرے مقام پر لکھا:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار فرمایا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور حدیث لانبی بعدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے، اپنی آیت "ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین" سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔

(کتاب البریہ صـ۱۸۴۔ حاشیہ)

وہ اپنی کتاب ــــ آئینہ کمالات اسلام ــــ میں لکھتے ہیں۔

اللہ کو شایان نہیں کہ خاتم النبیین کے بعد نبی بھیجے۔ اور نہیں شایان کہ سلسلہ نبوت کو دوبارہ از سر نو شروع کر دے، بعد اس کے کہ اسے قطع کر چکا ہو۔ اور بعض احکام قرآن کریم کے منسوخ کر دے اور ان پر بڑھا دے۔ (آئینہ کمالات اسلام، صـ۳۷۷)

وہ اپنے ایک اشتہار میں اعلان کرتے ہیں کہ :۔

میں سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت

کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحیِ رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گئی۔

(اشتہار مورخہ ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

انہوں نے ۲۳ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کو جامع مسجد دہلی کے ایک جلسہ میں اپنے تحریری بیان میں کہا۔

میں جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختمِ نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختمِ نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔

دوسرے مقام پر لکھا۔

مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جا ملوں۔ (حمامۃ البشریٰ، ص ۹۶)

اور ایک اشتہار میں کہا۔

ہم بھی مدعیِ نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختمِ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

(اشتہار مورخہ ۲۰ر شعبان ۱۳۱۴ھ)

نبی کا لفظ کاٹا ہوا خیال کریں

مرزا صاحب کے اس قسم کے اعلانات پر جب یہ اعتراض کیا گیا کہ جب آپ ختمِ نبوت کے قائل ہیں اور مدعیِ نبوت کو کاذب اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں تو آپ اپنے آپ کو نبی کیوں کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے کہا۔

جس حالت میں ابتدا سے میری نیت میں جس کو اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے' اس لفظ نبی سے مراد نبوتِ حقیقی نہیں بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکلّم مراد لئے ہیں۔...... تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے اس لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر جگہ سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ کو کاٹا ہوا

خیال فرمالیں۔ (اعلان مندرجہ تبلیغ رسالت، جلد دوم صفحہ ۹۵
مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

خاتم النبیین کے نئے معنی

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب نے واضح الفاظ میں بار بار کہا کہ حضور نبیٔ اکرمؐ خاتم النبیین ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہوگیا اور آپ خدا کے آخری نبی ہیں ... لیکن اس کے بعد آپ آگے بڑھے اور کہا کہ خاتم النبیین کے معنی 'آخری نبی' نہیں۔ خاتم کے معنی مہر ہیں اس لئے خاتم النبیین کے معنی ہیں وہ جس کی مہر سے نبی بن سکیں۔ مرزا محمود صاحب کے الفاظ میں:۔

خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ "خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہوسکتی۔ جب مہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔ (ملفوظات احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۹۰ مرتبہ محمد منظور الٰہی صاحب قادیانی)

مرزا صاحب کے خلیفہ اوّل (حکیم نورالدین صاحب) سے ایک شخص نے سوال کیا کہ:۔

خاتم النبیین رسول تھے تو پھر نبی ہونے کا دعویٰ کس طرح ہوسکتا ہے۔

جواب دیا کہ

خاتم مہر کو کہتے ہیں۔ جب نبیٔ کریم مہر ہوئے۔ اگر ان کی اُمت میں کسی قسم کا نبی نہیں ہوگا تو وہ مہر کس طرح ہوئے یا مہر کس پر لگے۔

(اخبار الفضل، قادیان، مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۲۲ء)

اب اس سلسلہ میں خود مرزا صاحب کی تحریریں ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں:۔

جس کامل انسان پر قرآن شریف نازل ہوا .... اور وہ خاتم الانبیاء بنے، مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے روحانی فیض نہیں ملے گا بلکہ اس معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے۔ بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا .... اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب

خاتم نہیں، ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے۔
(حقیقۃ الوحی ص۲۷)

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی پہلی تصنیف "براہینِ احمدیہ" کے پہلے چار حصّے ۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۴ء میں شائع کئے۔ لیکن پانچویں حصّہ کی اشاعت کو ملتوی کر دیا۔ یہ حصّہ انہوں نے اپنی عمر کے آخری دنوں مرتب کیا اور ان کی وفات (۱۹۰۸ء) کے بعد شائع ہوا۔ اس کتاب کے پہلے چار حصّوں میں مرزا صاحب کا دعویٰ ولایت (کشف والہام) تک محدود تھا لیکن پانچویں حصّہ میں اپنے دعویٰ نبوت کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ وہ پانچویں حصّہ کے ضمیمہ میں لکھتے ہیں:۔

> اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ کے بعد دروازہ مکالمات و مخاطباتِ الٰہیہ کا بند ہے۔ اگر یہ معنی ہوتے تو یہ اُمّت ایک لعنتی اُمّت ہوتی جو شیطان کی طرح ہمیشہ سے خدا تعالیٰ سے دُور و مہجور ہوتی۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ براہِ راست خدا سے فیضِ وحی پانا بند ہے اور یہ نعمت بغیر اتباعِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو ملنا محال اور ممتنع ہے ...... یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وحیِ الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور آیندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصّوں کو پوجا کرو...... میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانے میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ رحمانی مذہب۔
>
> (ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصّہ پنجم، ص۱۸۳)

"احمدی" حضرات قرآنی الفاظ خاتم النّبیّٖن بڑی شدّ و مد کے ساتھ پیش کیا کرتے ہیں اور یہ کہہ کر عوام کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ خاتَم (ت زبر کے ساتھ) کے معنی مہر کے ہیں اور مطلب اس سے یہ ہے کہ رسول اللہ کی مُہر سے آپ کے اُمّتی نبی بن سکتے ہیں۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عربوں کے ہاں خاتم اس مہر یا نشان کو کہتے ہیں جو کسی بوتل وغیرہ کو لاکھ سے بند کر کے اس لاکھ کے اوپر لگاتے ہیں، اسے انگریزی زبان میں (SEAL) کر دینا کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں خَتَمَ کا لفظ انہی معنوں میں آیا ہے۔ خود مرزا بشیر الدین محمود اپنی تفسیر میں قرآنی آیت خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ (۲/۸) کا

ترجمہ کرتے ہیں۔ "اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے۔" (تفسیر صغیر ص۶) اور یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ (۸۳/۲۶) کے معنی لکھتے ہیں: "انہیں خالص سربمہر شراب پلائی جائے گی۔" اور خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (۸۳/۲۷) کے معنی لکھتے ہیں "اس کے آخر میں مشک ہوگا۔" (ایضاً ص۸۰۱)۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، ہمیں اس بحث میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں جب کہ خود مرزا صاحب نے (ان اقتباسات کی رُو سے جو پہلے درج کئے جا چکے ہیں) "خاتم النبیین" کے معنی وہ نبی کئے ہیں جس پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا۔ وہ آخری نبی جس کے بعد وحی منقطع ہو گئی۔

باقی رہا یہ کہ رسول اللہ کے اتباع سے کسی اُمتی کو نبوت مل سکتی ہے تو یہ دعویٰ، نبوت کی حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے (جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں) نبوت، موہبتِ خداوندی ہے جو کسی انسان کو کسب و ہنر، محنت و کاوش، کسی کے اتباع یا اطاعت سے نہیں مل سکتی۔ محنت و کاوش سے نبوت حاصل ہونا تو ایک طرف، جس برگزیدہ ہستی کو اس منصبِ جلیلہ اور موہبت کبریٰ کے لئے منتخب کیا جاتا تھا اسے (نبوت حاصل ہونے سے) ایک ثانیہ پہلے تک اس کا علم و ادراک تک نہیں ہوتا تھا کہ اسے اس منصب کے لئے منتخب کیا جا رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک بڑی دلچسپ بات یاد آ گئی۔ "احمدی" حضرات (مرزا صاحب کے اس دعویٰ کی تائید میں کہ انہیں اتباعِ محمدیہ سے نبوت حاصل ہو گئی ہے) یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ

(۱) سورۂ فاتحہ میں مسلمانوں کو یہ دُعا سکھائی گئی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ "دکھا ہم کو سیدھی راہ۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے اپنا انعام کیا۔"

اور

(۲) سورۃ النساء میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ (۴/۶۹) یعنی منعم علیہ حضرات میں انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین شامل ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے مسلمانوں کو نبی بن جانے کی بھی دعا سکھائی ہے (ہم ان حضرات کی اس مغالطہ آفرینی کا تجزیہ بعد میں کریں گے اس مقام پر صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ) "احمدیوں" کی جماعت لاہوری کے امام، مولانا محمد علی صاحب اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہاں نبی کا لفظ آجانے سے بعض لوگوں کو یہ ٹھوکر لگی ہے کہ خود مقامِ نبوت بھی اس دعا کے

ذریعے سے مل سکتا ہے اور گویا ہر مسلمان ہر روز بار بار مقام نبوت کو ہی اس دعا کے ذریعے طلب کرتا ہے۔ یہ ایک اصولی غلطی ہے۔ اس لئے کہ نبوت محض موہبت ہے اور نبوت میں انسان کی جدوجہد اور اس کی سعی کو کوئی دخل نہیں۔ ایک وہ چیزیں ہیں جو موہبت سے ملتی ہیں اور ایک وہ جو انسان کی جدوجہد سے ملتی ہیں۔ نبوت اول میں سے ہے۔

لیکن یہ لکھتے وقت مولانا محمد علی صاحب یہ بھول گئے کہ یہ ٹھوکر "بعض لوگوں" ہی کو نہیں لگی خود مرزا صاحب کو بھی لگی تھی جو اتباع محمدیؐ سے مقام نبوت تک پہنچ جانے کے مدعی تھے۔ چنانچہ انہوں نے سورۃ فاتحہ کی مندرجہ بالا آیت کے سلسلہ میں لکھا تھا۔

افسوس کہ حال کے نادان مسلمانوں نے اپنے اس نبی مکرم کا کچھ قدر نہیں کیا اور ہر ایک بات میں ٹھوکر کھائی۔ وہ ختم نبوت کے ایسے معنی کرتے ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نفس پاک میں افاضہ اور تکمیل نفوس کے لئے کوئی قوت نہ تھی اور صرف خشک شریعت سکھانے آئے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کو دعا سکھاتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ پس اگر یہ امت پہلے نبیوں کی وارث نہیں اور اس انعام میں سے اس کو کچھ حصہ نہیں، تو پھر یہ دعا کیوں سکھائی گئی۔ (حقیقۃ الوحی ص۱)

بہرحال بات یوں چلی تھی کہ مرزا صاحب نے۔

(۱) پہلے صرف ولایت (کشف و الہام) کا دعویٰ کیا۔

(۲) پھر اس کے لئے نبوت کا لفظ استعمال کیا۔

(۳) جب اس کی مخالفت ہوئی کہ اس سے عقیدۂ ختم نبوت پر زد پڑتی ہے تو انہوں نے باصرار و تکرار کہا کہ ختم نبوت پر ان کا عقیدہ ہے۔ وہ حضور کو خاتم النبیین (آخری نبی) مانتے ہیں اور مدعی نبوت کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔

(۴) جب اس سے مخالفت کا طوفان تھما تو آپ نے خاتم النبیین کو نئے معنی پہنائے اور کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اب نبوت، رسول اللہ کی "مہرِ تصدیق" سے حاصل ہو سکتی ہے۔ براہِ راست نہیں۔ اور مجھے اس طرح نبوت حاصل ہوئی ہے۔

بروزی اور ظلّی نبی

(مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں) اس "پیچ میں پھنسانے" کے لئے انہوں نے بڑی دلچسپ اصطلاحات وضع یا اختیار کیں۔ انہوں نے کہا۔

غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک ایسی مہر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر لگ گئی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں۔ اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں۔ (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

خدائے تعالیٰ نے ابتدا سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت کے کمالات متعدیہ کے اظہار و اثبات کے لئے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے۔ سو اس طرح خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یعنی نبوتِ محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہوگئی۔ اور ظلّی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا تاکہ میں آنحضرتؐ کے فیوض کا کامل نمونہ ٹھہروں۔

(چشمہ معرفت، ص ۳۲۴)

ایک اور مقام پر اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اس بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ مگر بروزی صورت میں میرا نفس درمیان نہیں ہے بلکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس رہی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

لیجئے۔ ظل اور بروز کے بعد مرزا صاحب نے خود محمد رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ذرا دل پر پتھر رکھ کر اس کی تشریح بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک تو کوئی دوسرا آیا ہی نہیں۔ نہ نیا نبی نہ پرانا۔ بلکہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہی کی چادر دوسرے کو پہنائی گئی ہے۔ اور وہ خود ہی آئے۔

(الحکم، قادیان، مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء)

مرزا صاحب کے انہی دعاوی کی روشنی میں، ان کے متبعین اعلان کرتے ہیں کہ:

محمدؐ پھر اُتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمدؐ دیکھنے ہوں جس نے اکمل غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(از قاضی ظہور الدین صاحب قادیانی۔ بحوالہ پیغام صلح۔ لاہور، مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۱۶ء)

اور صاحبزادہ بشیر احمد فرماتے ہیں کہ

اب معاملہ صاف ہے۔ اگر نبی کریم کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود (یعنی مرزا صاحب) کا انکار بھی کفر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مسیح موعود نبی کریم سے کوئی الگ چیز نہیں ہے۔

(کلمۃ الفصل، صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی)

صحابہ کی جماعت

جب مرزا صاحب (معاذ اللہ) "عین محمدؐ" ٹھہرے تو ان کی جماعت بھی "صحابہ کی جماعت" بن گئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی جماعت درحقیقت آنحضرتؐ کے ہی صحابؓ میں کی ایک جماعت ہے۔ اور جیسا کہ آنحضرت کا فیض صحابہ پر جاری ہوا، ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے مسیح موعود کی جماعت پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہوا...... یہ اس امر کی پختہ دلیل ہے کہ مسیح موعود درحقیقت محمد اور عین محمد ہیں۔

(الفضل، قادیان، مورخہ یکم جنوری ۱۹۱۶ء)

خود خدا کا ظہور

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا ظہور نہیں بلکہ خود خدا کا ظہور۔ قادیان سے شائع ہونے والے مجلہ تشحیذ الاذہان، جلد ۶، نمبر ۱۱ کے صفحہ ۲۰۸ پر مرقوم ہے۔

وہ جو خدا کے لئے بمنزلہ اولاد ہے۔ وہ جس کا ظہور، خدا اپنا ظہور قرار دیتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ ظلیؔ اور بروزیؔ عکسیؔ اور حلولی وغیرہ الفاظ یا اس قسم کے تصورات، نہ قرآن کریم میں ملتے ہیں نہ حدیث میں۔ نہ ہی صدر اوّل کے لٹریچر میں ان کا کہیں پتہ نشان ملتا ہے۔ یہ تمام تصورات مجوسیوں کے تھے۔ ان سے ہمارے ہاں کے تصوف نے مستعار لئے۔ اور وہاں سے مرزا صاحب نے اخذ کر لئے۔ اس کی شہادت خود مرزا صاحب کے متبعین کے ہاں سے ملتی ہے۔ "احمدیوں" کی لاہوری شاخ کے ترجمان "پیغام صلح" کی ۱۱ جولائی ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ

> آپ کی (مرزا صاحب کی) تحریرات میں جو اصطلاحات پائی جاتی ہیں جن سے اپنوں اور بیگانوں کو ٹھوکر لگی ہے اور آپ کو مدعیٔ نبوت سمجھنے لگے ہیں، جیسے ظلی نبی، بروزی نبی، اُمتی نبی، غیر تشریعی نبی، فنا فی الرسول اور مجازی نبی، تو ان کے متعلق سمجھنے والی بات صرف یہ ہے کہ یہ اصطلاحات کہاں سے لی گئی ہیں اور ان کے معنی کیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان اصطلاحات کا قرآن مجید اور احادیث میں تو کوئی ذکر نہیں اور آنحضرتؐ کے پانچ چھ سو سال بعد تک ہمیں ان کا وجود نظر نہیں آتا۔ لیکن جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اصطلاحات صوفیائے کرام نے وضع کی ہیں۔

یہ تو ہم ذرا آگے چل کر دیکھیں گے کہ "ٹھوکر کس کس کو لگی ہے"، سردست اتنا دیکھئے کہ ایک شخص کا دعویٰ یہ ہے کہ اسے خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے اور اس کے دعاوی کی بنیاد وحی پر ہے۔ لیکن وہ شخص جو دعویٰ کرتا ہے ان کی بنیاد مجوسی نظریات پر ہے جو یکسر قرآن کے خلاف ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ ہیں۔

> احمدیت کے ماخذ اور اس امر کی بحث کہ قبل اسلام مجوسی تصورات نے اسلامی تصوف کے ذریعے احمدیت کے ذہن کو کس طرح متاثر کیا مذہب متقابلہ کی نگاہ سے بے حد دلچسپ ہوگی۔
>
> (احمدیت اور اسلام ص ۲۶)

اور یہ بھی دیکھئے کہ وہ جو ہم نے پہلے کہا ہے کہ ہمارے ہاں کا تصوف، مدعیانِ نبوت کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے وہ کس قدر صحیح ہے۔ مرزا صاحب کے ان دعاوی کی سند صوفیا کرام ہیں لیکن یہ تو راستے کا مقام ہے آپ دیکھئے کہ اس کے بعد مرزا صاحب کیا کیا دعوے کرتے ہیں۔

واحد نبی

اس وقت تک یہ کہا جا رہا تھا کہ نبیؐ اکرمؐ کا خاتم الانبیاء ہونا اس معنی میں ہے کہ آپ کے اتباع سے، آپ کے اُمتی، منصبِ نبوت تک پہنچ سکتے ہیں. لیکن اس کے بعد کہا.

> اس اُمت میں نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں...... اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا ...... تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیش گوئی پوری ہو جائے. (حقیقۃ الوحی ص۳۹۱)

اس سے پہلے دعویٰ یہ تھا کہ مرزا صاحب "اُمتی نبی" ہیں. لیکن اب کہا گیا کہ مرزا صاحب کو اُمتی سمجھنا کفر ہے چنانچہ الفضل (قادیان) کی اشاعت بابت ۲۹ر جون ۱۹۱۵ء میں لکھا ہے.

> مسیح موعود کو احمد نبی اللہ تسلیم نہ کرنا اور آپ کو اُمتی قرار دینا یا اُمتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت کو جو سیّد المرسلین اور خاتم النبیین ہیں، اُمتی قرار دینا اور اُمتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفرِ عظیم اور کفر بعد کفر ہے.

آخری نبی

اوپر لکھا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ نبی کا نام صرف ان کے لئے مختص ہے. کسی دوسرے کو حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو نبی کہلائے. اس کے بعد کہا کہ اتنا ہی نہیں کہ اس دور میں صرف میں ہی نبی کہلانے کا مستحق ہوں. بلکہ یہ کہ میں آخری نبی ہوں. مرزا صاحب کے الفاظ میں:

> ہلاک ہو گئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا مبارک ہے وہ جس نے مجھے پہچانا. میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور. بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے. (کشتی نوح ص۵۶)

خاتم الانبیاء

مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ حضور نبیؐ اکرمؐ خاتم الانبیاء ہیں لیکن خاتم الانبیاء کے معنی یہ ہیں کہ اب خدا

سے براہِ راست نبوت نہیں مل سکتی بلکہ رسول اللہ کے اتباع سے مل سکتی ہے جس کی نبوت پر رسول اللہ کی مہرِ تصدیق ثبت ہو. لیکن اب مرزا صاحب نے کہا کہ "ان کے بعد نبوت، رسول اللہ کے اتباع سے نہیں ملے گی، مرزا صاحب کی وساطت سے ملے گی" ارشاد ہے.

> ایک بروز محمدی جمیع کمالاتِ محمدی کے ساتھ آخری زمانے کے لئے مقدر تھا سو وہ ظاہر ہو گیا اب بجز اس کھڑکی کے اور کوئی کھڑکی نبوت کے چشمے سے پانی لینے کے لئے باقی نہیں.
>
> (ایک غلطی کا ازالہ)

مرزا صاحب کے اس بنیادی نکتہ کی تشریح، ان کے صاحبزادہ اور خلیفۂ ثانی میاں محمود صاحب نے مختلف مقامات پر کی ہے. پہلے انہوں نے کہا کہ جو لوگ ختمِ نبوت کے قائل ہیں

> انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ خدا کے خزانے ختم ہو گئے...... ان کا یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے. ورنہ ایک نبی کیا، میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے.
>
> (انوارِ خلافت ص۶۲)

ایک دفعہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا آئندہ بھی نبیوں کا آنا ممکن ہے، تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا:

> ہاں قیامت تک رسول آتے رہیں گے. اگر یہ خیال ہے کہ دنیا میں خرابی پیدا ہوتی رہے گی تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسول بھی آتے رہیں گے. جب تک بیماری ہے تب تک ڈاکٹر کی بھی ضرورت ہے.
>
> (الفضل بابت ۲۷ر فروری ۱۹۲۷ء)

سوال یہ کیا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا صاحب) کے بعد بھی جب نبی آنے کا امکان ہے تو آپ کو آخری زمانے کا نبی کہنے کا مطلب کیا ہے. جواب دیا.

> آخری زمانے کا نبی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے توسط کے بغیر کسی کو نبوت کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا. اب کوئی نبی ایسا نہیں آسکتا جو یہ کہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے براہِ راست تعلق پیدا کر کے نبی بن سکا. حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، میری اتباع کے بغیر کسی کو قربِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا. پس آئندہ خواہ کوئی نبی ہو، اس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا ضروری ہے.
>
> (الفضل، قادیان، مورخہ ۲ر مئی ۱۹۲۳ء)

دوسرے مقام پر اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کوئی نبی آجائے تو پہلے نبی کا علم بھی اس کے ذریعے سے ملتا ہے۔ یوں اپنے طور پر نہیں مل سکتا۔ اور بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کے لئے بمنزلہ سوراخ کے ہوتا ہے۔ پہلے نبی کے آگے دیوار کھینچ دی جاتی ہے اور کچھ نظر نہیں آتا سوائے آنے والے نبی کے ذریعے دیکھنے کے۔ یہی وجہ ہے کہ اب کوئی قرآن نہیں سوائے اس قرآن کے جو حضرت مسیح موعود نے پیش کیا۔ اور کوئی حدیث نہیں سوائے اس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں پیش آئے۔ اور کوئی نبی نہیں سوائے اس کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دکھائی دے۔ اسی طرح رسول کریمؐ کا وجود اس ذریعہ سے نظر آئے گا کہ حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دیکھا جائے۔ اگر کوئی چاہے کہ آپ سے علیحدہ ہو کر کچھ دیکھ سکے تو اسے کچھ نظر نہیں آئے گا ایسی صورت میں اگر کوئی قرآن کو بھی دیکھے گا تو وہ اس کے لئے یھدی من یشاء والا قرآن نہیں۔ یضل من یشاء والا قرآن ہوگا۔

(خطبہ جمعہ میاں محمود احمد مندرجہ الفضل بابت ۱۵ جولائی ۱۹۲۴ء)

صاحب شریعت

"احمدی" حضرات عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ میرزا صاحب نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا رسول ہونے کا نہیں۔ اور نبی اور رسول میں فرق یہ ہے کہ رسول صاحب کتاب اور صاحب شریعت ہوتا ہے اور نبی نہ کوئی کتاب لاتا ہے نہ شریعت۔ ہم ساتویں باب میں جہاں ان حضرات کے اس قسم کے دعاوی کا تجزیہ کریں گے، نبی اور رسول کی اس تفریق کا غلط ہونا بھی ثابت کریں گے۔ اس مقام پر صرف یہ دیکھئے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ کیا تھا۔ آپ نے کہا۔

مجھے یہ شرف (یعنی مخاطبہ و مکالمہ خداوندی کا شرف) محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوا۔۔۔۔۔ کیونکہ اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔ مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو۔ اس بنا پر میں اُمتی بھی ہوں اور نبی بھی۔ (تجلیات الٰہیہ صـ۲۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

پس چونکہ میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے بلکہ اس نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پاکر اور اس میں ہوکر اور اس کا نظیر مظہر بن کر آیا ہوں۔

(نزول المسیح ص۲)

میاں محمود صاحب اس کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

آپ کے مجازی نبی ہونے کے صرف یہ معنی ہیں کہ آپ کوئی نئی شریعت نہیں لاتے اور نہ براہ راست نبی بنے ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص۱۷۲-۱۴۴)

یہ تو رہا وہ "پیچ" جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ اب اصلی حقیقت ملاحظہ فرمایئے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امرو نہی بیان کئے اور اپنی اُمت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہوگیا۔ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ (اربعین ۴۔ ص۶)

صاحب کتاب

"احمدی حضرات کا بھی یہی اعلان ہے۔ چنانچہ اخبار الفضل بابت ۱۵ فروری ۱۹۱۹ء میں تحریر ہے۔

بحث اگر کچھ ہو سکتی ہے تو وہ ما انزل الیہ من ربہ پر ہو سکتی ہے چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک اور نبی کی کتاب یہی ہوتی ہے کہ ما انزل کو جمع کرلیا جاتے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام سب انبیاء کے مظہر اور بروز ہیں تو ان کا ما انزل الیہ من ربہ بہ برکت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن شریف اس قدر زیادہ ہے کہ کسی نبی سے ما انزل الیہ سے کم نہیں بلکہ اکثروں سے زیادہ ہے۔

فالحمد للہ کہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک لحاظ سے صاحب کتاب ہونا ثابت ہوگیا۔

مرزا صاحب کی وحی

قرآن مجید نے اپنے منجانب اللہ ہونے کے لئے دنیا کو چیلنج دیا اور کہا کہ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص (۲/۲۳) "جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے اگر تمہیں اس کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک ہے تو (اس کا علاج بڑا آسان ہے) تم اس قرآن کی مثل ایک سورت بنا کر دکھاؤ" یہ تحدی قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر آئی ہے (ملاحظہ ہو ۱۰/۳۸، ۱۱/۱۳، ۱۷/۸۸) اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہ حضورؐ کے زمانے کے مخاطبین کو ہوئی تھی اور نہ ہی حضورؐ کے بعد اس چودہ سو سال میں کسی اور کو ہوئی ہے۔ قرآن کریم کا بے مثل و بے نظیر ہونا اس کے منجانب اللہ ہونے کی اوّلین دلیل اور نبوتِ محمدیہؐ کا بنیادی ثبوت ہے۔ یہ جرأت صرف مرزا صاحب کو ہوئی ہے جو اپنی وحی کے متعلق کہتے ہیں کہ

آنچہ من بشنوم ز وحیِ خدا　　بخدا پاک دانمش ز خطا
ہمچو قرآں منزہ اش دانم　　از خطاہا ہمیں است ایمانم
بخدا ہست ایں کلامِ مجید　　از دہانِ خدائے پاک وحید

(درثمین ص۲۸۷۔ مجموعہ کلام مرزا صاحب)

مرزا صاحب پر یہ وحی (ان کے دعویٰ کے مطابق) بذریعہ جبریل نازل ہوتی تھی۔ فرماتے ہیں۔

میرے پاس ایل آیا (اس جگہ ایل خدائے تعالیٰ نے جبریل کا نام رکھا ہے اس لئے کہ بار بار رجوع کرتا ہے۔ حاشیہ) اور اس نے مجھے چن لیا اور اپنی انگلی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آگیا۔ پس مبارک ہے وہ جو اس کو پاوے اور دیکھے۔

(حقیقۃ الوحی ص۱۰۳)

یہ وحی بکثرت نازل ہوتی تھی۔ فرماتے ہیں۔

اور خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزو سے کم نہ ہوگا۔

(حقیقۃ الوحی ص۳۹۱)

اپنی وحی پر ایمان کے متعلق کہتے ہیں۔

میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر۔ اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے، خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔

(حقیقۃ الوحی ص ۲۱۱)

دوسری جگہ ہے۔

میں خدا تعالیٰ کے ان الہامات پر جو مجھے ہو رہے ہیں، ایسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن پر ایمان رکھتا ہوں۔

تبلیغ رسالت، جلد ہشتم ص ۹۲
اشتہار مرزا صاحب مؤرخہ ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء)

ایک اور:۔

مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن پر۔

اربعین نمبر ۴ ص ۲۵)

جہاں تک وحی بذریعہ جبریل کا تعلق ہے " احمدی " حضرات کا عقیدہ ہے کہ اس باب میں (بجز نبی اکرم) مرزا صاحب منفرد ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

جو لوگ نبیوں اور رسولوں پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وحی لانا ضروری شرط نبوت قرار دیتے ہیں۔ ان کے واسطے یہ امر واضح ہے کہ حضرت (مرزا) صاحب کے پاس نہ صرف ایک بار جبریل آیا۔ بلکہ بار بار رجوع کرتا تھا اور وحی خداوندی لاتا رہا۔ قرآن میں نزول جبرئیل بہ پیرایہ وحی صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ثابت ہے .... ورنہ دوسرے انبیاء کے واسطے جبرئیل کا نزول از روئے قرآن شریف ثابت نہیں ...... اعلیٰ درجہ کی وحی کے ساتھ فرشتہ ضرور آتا ہے خواہ اس کو کوئی دوسرا فرشتہ کہو یا جبرئیل کہو۔ اور چونکہ حضرت احمد علیہ السلام بھی نبی اور رسول تھے اور آپ پر اعلیٰ درجہ کی وحی کا یعنی رسالت کا نزول ہوتا رہا ہے، لہٰذا آپ کی وحی کے ساتھ فرشتہ ضرور آتا تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس فرشتہ کا نام تک بتا دیا ہے کہ وہ فرشتہ جبرئیل ہی ہے۔

(رسالہ احمدی ۵، ۶، ۷ بابت ۱۹۱۹ء
موسومہ النبوۃ فی الالہام ص ۳۲، مؤلفہ قاضی محمد یوسف صاحب قادیانی)

ضمناً مرزا صاحب نے دعوے کیا ہے کہ ان کی طرف جبرئیل بار بار رجوع کرتے تھے۔ آپ انہی کی زبانی سنئے کہ (بار بار تو ایک طرف) جبرئیل امین کے ایک بار نزول کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ظاہر ہے کہ اگرچہ صرف ایک ہی دفعہ کا نزول فرض کر لیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبرئیل لائیں اور پھر چپ ہو جائیں تو یہ امر بھی ختمِ نبوت کا منافی ہے کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحیِ رسالت نازل ہونی شروع ہو گئی تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے۔　　(ازالۂ اوہام ص۵۷۷)

آیاتُ الکتابُ المبین

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو الکتاب المبین اور اس کے مندرجات کو آیات سے موسوم کیا ہے۔ "احمدی" حضرات انہی ناموں سے مرزا صاحب کی وحی کو پکارتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے حضرت احمد علیہ السلام کے بہ حیثیت مجموعی الہامات کو الکتابُ المبین فرمایا ہے اور جدا جدا الہامات کو آیات سے موسوم کیا ہے۔ حضرت (مرزا) صاحب کو یہ الہام متعدد دفعہ ہوا ہے۔ پس آپ کی وحی بھی جدا جدا آیت کہلا سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا نام دیا ہے اور مجموعۂ الہامات کو الکتابُ المبین کہہ سکتے ہیں۔

(رسالہ احمدی ۵، ۶، ۷ موسومہ النبوۃ فی الالہام ص۲۲)

آخری بات

اخبار الفضل (قادیان) بابت ۱۶ راکتوبر ۱۹۱۵ء میں یہ اعلان شائع ہوا تھا۔

سنو! ہم مرزا غلام احمد صاحب کو وہ امام مہدی اور وہ مسیح مانتے ہیں جس کی خبر تمام انبیاء سابقین نے اور بالآخر حضرت محمدؐ رسول اللہ خاتم النبیین نے دی۔ ہم بغیر کسی فرق کے بہ لحاظ نبوت کے انہیں ایسا ہی رسول مانتے ہیں جیسے کہ پہلے رسول مبعوث ہوتے رہے۔

رسول اللہ کی رسالت (معاذاللہ) ختم ہوگئی

مرزا صاحب کی نبوت کے بعد نبوتِ محمدیہ کا (معاذ اللہ) خاتمہ ہوگیا (جیسا کہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے) میاں محمود صاحب فرماتے ہیں۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کوئی نبی آجائے تو پہلے نبی کا علم بھی اسی کے ذریعہ ملتا ہے یوں اپنے طور پر نہیں مل سکتا۔ اور ہر بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کے لئے بمنزلہ سوراخ کے ہوتا ہے۔ پہلے نبی کے آگے دیوار کھینچ دی جاتی ہے اور کچھ نظر نہیں آتا سوائے آنے والے نبی کے ذریعہ دیکھنے کے یہی وجہ ہے کہ اب کوئی قرآن نہیں سوائے اس قرآن کے جو حضرت مسیح موعود نے پیش کیا اور کوئی حدیث نہیں سوائے اس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں نظر آئے اور کوئی نبی نہیں سوائے اس کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دکھائی دے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اسی ذریعہ سے نظر آئے گا کہ حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دیکھا جائے۔ اگر کوئی چاہے کہ آپ سے علیحدہ ہو کر کچھ دیکھ سکے تو اسے کچھ نظر نہ آئے گا۔ ایسی صورت میں اگر کوئی قرآن کو بھی دیکھے گا تو وہ اس کے لئے یھدی من یشاء والا قرآن نہ ہوگا بلکہ یضل من یشاء والا قرآن ہوگا۔

(خطبہ جمعہ، مندرجہ الفضل، ۱۵ر جولائی ۱۹۲۴ء)

کرشن گوپال

مرزا صاحب نے (ہندوؤں کے اوتار) مہاراج کرشن ہونے کا بھی دعوے کیا تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

خدائے تعالیٰ نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانے میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے۔ آریوں کا بادشاہ۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۵)

انہوں نے اپنے سیالکوٹ کے لیکچر میں (جو ۲۔ نومبر ۱۹۰۴ء کو دیا تھا) کہا کہ:-

"مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ "ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی ہے۔"

لیکن ہندوؤں نے اس دعویٰ کو قابلِ التفات نہ سمجھا اور بات آگے نہ چلی۔

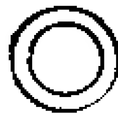

چوتھا باب

مرزا صاحب اور مسلمان

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ :۔

(۱) وہ خدا کے نبی اور رسول ہیں۔

(۲) صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت ہیں۔

(۳) ان کی وحی، قرآن کی مثل ہے۔

نیا دین

اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس امر کی بھی وضاحت کر دی کہ :۔

انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ تا ایک دین سے دوسرے دین میں داخل کریں اور ایک قبلہ سے دوسرا قبلہ مقرر کرا دیں۔ اور بعض احکام کو منسوخ کریں اور بعض نئے احکام لا دیں۔

(مکتوباتِ احمدیہ، جلد پنجم، نمبر چہارم صفحہ ۲۲)

اسی بنا پر "احمدی" حضرات کا عقیدہ ہے کہ :۔

اللہ تعالیٰ نے اس آخری صداقت کو قادیان کے ویرانے میں نمودار کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو فارسی النسل[1] ہیں، اس کام کے لئے منتخب فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں تیرے

---

[1] فارسی النسل" ہونے کی اہمیت کے متعلق میری کتاب "شاہکارِ رسالت" کا آخری باب دیکھئے۔ یہ بحث بڑی دلچسپ اور حقیقت کشا ہے۔

نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچادوں گا' زور آور حملوں سے تیری تائید کروں گا اور جو دین تو لے آیا ہے' اسے تمام دیگر ادیان پر بذریعہ دلائل و براہین' غالب کروں گا اور اس کا غلبہ دنیا کے آخر تک قائم رکھوں گا۔ (الفضل' مورخہ ۳ر فروری ۱۹۳۵ء)

اسلام سے الگ دین

یہ دین (جسے مرزا صاحب لے کر آئے تھے) اسلام نہیں تھا چنانچہ اخبار الفضل' مورخہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء میں کہا گیا ہے کہ:۔

عبداللہ کوئیلیم نے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ایک مشن قائم کیا۔ بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ مسٹر ڈیب نے امریکہ میں اس کی اشاعت شروع کی لیکن آپ نے (مرزا صاحب نے) مطلق ان کو ایک پائی کی مدد نہ کی۔ اس کی وجہ یہ کہ جس اسلام میں آپ پر (مرزا صاحب پر) ایمان لانے کی شرط نہ ہو اور آپ کے سلسلہ کا ذکر نہیں' اسے آپ اسلام ہی نہیں سمجھتے تھے کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اسلام اور۔

اور میاں محمود احمد (خلیفۂ ثانی) نے فرمایا کہ

ہندوستان سے باہر ہر ایک ملک میں ہم اپنے واعظ بھیجیں۔ مگر میں اس بات کے کہنے سے نہیں ڈرتا کہ اس تبلیغ سے ہماری غرض سلسلۂ احمدیہ کی صورت میں اسلام کی تبلیغ ہو۔ میرا یہی مذہب ہے اور حضرت مسیح موعود کے پاس رہ کر اندر باہر ان سے یہی سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اسلام کی تبلیغ یہی میری تبلیغ ہے۔ پس اس اسلام کی تبلیغ کرو جو مسیح موعود لایا۔ (منصبِ خلافت ص۲)

مسلمانوں سے اختلاف

میاں صاحب نے اپنے ایک خطبۂ جمعہ میں کہا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا

اور چند مسائل میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔ (الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

مسلمان کافر ہیں

یہ اس لئے کہ مرزا صاحب نے علانیہ کہہ دیا تھا کہ مسلمان (جو ان کی نبوت کے قائل نہیں) وہ مسلمان ہی نہیں۔ کافر ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں کہا۔

علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیش گوئی موجود ہے ..... اب جو شخص خدا اور رسول کے احکام کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدائے تعالیٰ کے نشانوں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے، تو وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)

آگے چل کر کہا۔

کفر دو قسم پر ہے۔ ایک کفر یہ ہے کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتا۔ دوسرا یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمامِ حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹)

اس سے بھی واضح تر الفاظ میں :۔

خدائے تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے، وہ مسلمان نہیں۔ (ارشاد مرزا صاحب منقول از اخبار الفضل مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۵ء)

میاں محمود صاحب آگے بڑھے اور فرمایا۔

کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح

موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔
(آئینہ صداقت صہ ۳۵ مصنفہ میاں محمود احمد صاحب)

صاحبزادہ بشیر احمد صاحب نے فرمایا۔

ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا یا محمدؐ کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا، وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔
(کلمۃ الفصل مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب)

جہنمی

مرزا صاحب نے اپنے اشتہار، معیار الاخیار، مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء صفحہ ۸ پر لکھا کہ:۔

جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

قادیانی حضرات کے مجموعہ فتاویٰ میں درج ہے کہ

یہ بات تو بالکل غلط ہے کہ ہمارے اور غیر احمدیوں کے درمیان کوئی فرعی اختلاف ہے..... کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں بتاؤ یہ اختلاف فرعی کیونکر ہوا۔ قرآن مجید میں تو لکھا ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ لیکن حضرت مسیح موعود کے انکار میں تو تفرقہ ہوتا ہے۔　(نہج المصلیٰ مجموعہ فتاویٰ احمدیہ صہ ۲۸۴)

اس سے یہ بھی واضح ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ رسالت کا تھا۔ کیونکہ قرآن کریم کی محولہ بالا آیت میں کہا گیا ہے کہ "ہم خدا کے رسولوں میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے"۔ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو زمرۂ رسل میں شامل کیا ہے۔ انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ

جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔　(حقیقۃ الوحی صہ ۱۶۳)

چنانچہ مرزا محمود نے سب جج گورداسپور کی عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ:۔

اس کی وجہ کہ غیر احمدی کیوں کافر ہیں قرآن کریم نے بیان کی ہے وہ اصول جو قرآن نے بتایا ہے اس سب کا انکار یا اس کے کسی ایک حصہ کے نہ ماننے سے کافر ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا انکار کفر ہے۔ سب نبیوں کا یا نبیوں میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ کتب الٰہی کا انکار کفر ہے ملائکہ کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے وغیرہ۔ ہم چونکہ حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور غیر احمدی آپ کو نبی نہیں مانتے اس لئے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے غیر احمدی کافر ہیں۔ (الفضل بابت ۲۹/۲۶ جون ۱۹۲۲ء)

.... قصور اپنا نکل آیا

آگے بڑھنے سے پیشتر اس لطیف نکتہ پر غور کیجئے کہ مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ "احمدیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ لیکن "احمدیوں" نے اس مسئلہ کو پہلے ہی حل کر رکھا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتے ہیں اور "غیر احمدیوں" کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی "غیر احمدیوں" کو "اس بیچ" میں پھنسا رہنے دینا چاہتے ہیں جب مناسب موقعہ آئے گا تو ان کی طرف سے یہ مطالبہ پیش ہو گا کہ "غیر احمدیوں" کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے پہلے سے ہی ردہ رکھ دیا ہوا ہے۔ چنانچہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب "احمدی" حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اب جبکہ یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تو کیوں خواہ مخواہ غیر احمدیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(کلمۃ الفصل، مندرجہ ریویو اوف ریلیجنز نمبر ۳ جلد ۱۴ ص ۱۴۸)

انہیں نئے سرے سے مسلمان کیا جائے

دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں:۔

چوں دور خسروی آغاز کردند مسلماں را مسلماں باز کردند

اس الہامی شعر میں اللہ تعالےٰ نے مسئلہ کفر و اسلام کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں خدا نے غیر احمدیوں کو مسلمان بھی کہا ہے اور پھر ان کے اسلام کا انکار بھی کیا ہے مسلمان

تو اس لئے کہا ہے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور جب تک یہ لفظ استعمال نہ کیا جائے لوگوں کو پتہ نہیں چلتا کہ کون مراد ہے۔ مگر ان کے اسلام کا اس لئے انکار کیا گیا ہے کہ وہ اب خدا کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں بلکہ ضرورت ہے کہ ان کو پھر نئے سرے سے مسلمان کیا جائے۔
(ایضاً ص ۱۴۳)

دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔
اس جگہ ایک اور شبہ پڑتا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت مسیح موعود اپنے منکروں کو حسبِ حکمِ الٰہی اسلام سے خارج سمجھتے تھے تو آپ نے ان کے لئے اپنی بعض آخری کتابوں میں مسلمان کا لفظ کیوں استعمال فرمایا ؟

اس کے جواب میں کہا۔
معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کو بھی بعض وقت اس کا خیال آیا کہ کہیں میری تحریروں میں "غیر احمدیوں" کے متعلق مسلمان کا لفظ دیکھ کر لوگ دھوکا نہ کھائیں۔ اس لئے آپ نے کہیں کہیں بطور ازالہ کے، غیر احمدیوں کے متعلق ایسے الفاظ بھی لکھ دیئے ہیں کہ "وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں" تا جہاں کہیں بھی مسلمان کا لفظ ہو اس سے مدعیٔ اسلام سمجھا جائے نہ کہ حقیقی مسلمان ...... پس یہ ایک یقینی بات ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے جہاں کہیں بھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہہ کر پکارا ہے وہاں صرف یہ مطلب ہے کہ وہ صرف اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ورنہ آپ حسبِ حکمِ الٰہی اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھتے تھے۔
(ایضاً ص ۱۲۶)

اُن کے پیچھے نماز مت پڑھو

ظاہر ہے کہ جب "احمدیوں" کے نزدیک "غیر احمدی" مسلمان ہی نہیں تو ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کس طرح جائز قرار پا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب نے اپنی جماعت سے کہا کہ :۔
صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو۔
(ارشاد مرزا صاحب مندرجہ اخبار الحکم قادیان، مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء)

اور تاکید کے ساتھ کہا۔

پس یاد رکھو کہ جیسا کہ مجھے خدا نے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔
(اربعین نمبر ۳ صہ ۳۴ برحاشیہ)

ان کا جنازہ پڑھنا بھی جائز نہیں

اخبار الفضل (قادیان) مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۱۶ء میں کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اگر منکرین کے جنازہ کی اجازت دی تھی تو وہ اوائل کی بات تھی۔

بعد میں اگر کسی نے اس فتویٰ کو جاری سمجھا تو وہ اس کی اجتہادی غلطی تھی جس کو خلیفہ اول (حکیم نور الدین صاحب) نے صاف حکم کے ساتھ رد کر دیا کہ غیر احمدی کا جنازہ ہرگز جائز نہیں۔

اور میاں محمود صاحب نے فرمایا کہ

غیر احمدی بچے کا جنازہ پڑھنا درست نہیں۔　　　(الفضل، مورخہ ۲۔ مئی ۱۹۲۲ء)

اخبار الفضل بابت ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء میں کہا گیا ہے کہ "حضرت صاحب نے اپنے بیٹے (فضل احمد مرحوم) کا جنازہ محض اس لئے نہ پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھا۔"

اور اپنے امام کی تقلید میں چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے قائد اعظمؒ کے جنازہ میں شرکت نہیں کی۔ اور لاکھوں آدمیوں کی موجودگی میں جنازہ کے وقت الگ کھڑے رہے۔

ضمناً، مسئلہ ختم نبوت کے سلسلہ میں فسادات پنجاب کے لئے جو تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی تھی (اور جسے منیر کمیٹی کہہ کر پکارا جاتا ہے) اس میں ("غیر احمدیوں" کے جنازہ کے سلسلے میں) "احمدیوں" کی طرف سے کہا گیا کہ "اب مرزا صاحب کے ایک ایسے ارشاد کا انکشاف ہوا ہے جس میں انہوں نے ان مسلمانوں کے جنازہ میں شرکت کی اجازت دے دی تھی جو مکذب اور مکفر نہ ہوں۔" اس پر عدالت نے کہا کہ اس سے تو بات وہیں کی وہیں رہتی ہے۔　　　(منیر کمیٹی رپورٹ صہ ۱۹۹)

نکاح بھی جائز نہیں

قرآن کریم کی رو سے کسی مسلمان عورت کا کسی غیر مسلم سے (خواہ وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہوں) نکاح

جائز نہیں. البتہ اہلِ کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح جائز ہے۔" احمدیوں" کا" غیر احمدیوں" سے سے نکاح کے معاملہ میں بھی یہی مسلک ہے. چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہیں.

> غیر احمدی کی لڑکی لے لینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اہلِ کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے...... لیکن اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہیں دینی چاہیئے. اگر ملے تو لے بیشک لو لینے میں حرج نہیں اور دینے میں گناہ ہے. (الحکم بابت ۱۶ اپریل ۱۹۰۸ء)

میاں محمود احمد صاحب کے ارشاد کے مطابق اس باب میں "غیر احمدیوں" کی پوزیشن، ہندوؤں اور سکھوں جیسی ہے. یعنی ان کی لڑکیاں بھی لے لینی چاہئیں لیکن انہیں لڑکی دینی نہیں چاہیئے. (الفضل، ۱۹۲۲ء جولائی)

تمام تعلقات حرام

صاحبزادہ بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں.

> غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ ہو گئیں. ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا. ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا. اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں. دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں. ایک دینی، دوسرے دنیوی. دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے. سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دیئے گئے..... اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کہا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی اکرمؐ نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے. ہاں اشد مخالفین کو حضرت مسیح موعود نے کبھی سلام نہیں کیا اور نہ ان کو سلام کہنا جائز ہے. غرض ہر ایک طریقہ سے ہم کو حضرت مسیح موعود نے غیروں سے الگ کیا ہے اور ایسا کوئی تعلق نہیں جو اسلام نے مسلمانوں کے ساتھ خاص کیا ہو اور پھر ہم کو اس سے نہ روکا گیا ہو.
>
> (کلمۃ الفصل، مندرجہ رسالہ ریویو اوف ریلیجنز، نمبر ۴، جلد ۱۴، ص ۱۶۹)

الگ نام "احمدی"

ہم نے بعض "احمدی" حضرات کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم نے اپنا نام "احمدی" حضور نبی اکرمؐ کی نسبت

سے رکھا ہے کیونکہ حضورؐ کا اسمِ گرامی احمد بھی تھا، یہ ان حضرات کی غلط بیانی اور ابلہ فریبی ہے۔ مرزا صاحب نے خود اپنا نام احمد بتایا ہے اور احمدی کی نسبت، انہی (مرزا صاحب) ہی کی طرف ہے، نہ کہ نبیٔ اکرمؐ کی طرف۔ تفصیل اس اجمال کی بڑی دلچسپ ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ...... (۶۱/۶)

اور جب عیسیٰؑ ابنِ مریم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں۔ میں تصدیق کرتا ہوں تورات کی جو پہلے آچکی ہے اور میں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہوگا۔

(ہم نے اس آیت کا آدھا حصہ یہاں نقل کیا ہے۔ بقایا حصہ بعد میں سامنے لایا جائے گا)۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور نبیٔ اکرمؐ کا اسمِ گرامی محمدؐ بھی تھا اور احمدؐ بھی۔ اس کا ثبوت صدرِ اوّل کے لٹریچر سے لے کر ہر دور کی کتبِ تاریخ و تفسیر سے ملتا ہے۔ مسلمانوں کے نام کے ساتھ احمد (بلکہ تنہا احمد) شروع سے چلا آرہا ہے جیسے امام احمد بن حنبل وغیرہ۔ لیکن مرزا صاحب نے دعوےٰ کیا کہ نہیں۔ میرا نام احمد ہے اور حضرت عیسیٰؑ نے جس آنے والے رسول کی بشارت دی تھی، وہ حضور نبیٔ اکرمؐ نہیں بلکہ میں ہوں۔ مرزا صاحب اپنے دعوےٰ نبوت کی سب سے محکم دلیل یہی پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔

مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اس بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا مگر بروزی صورت میں میرا نفس درمیان نہیں ہے بلکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

اس سلسلہ میں مندرجہ بالا آیت کے حوالہ سے کہا۔

اور جیسا کہ آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر زمانہ میں ایک مظہر ظاہر ہوگا گویا وہ اس کا ایک ہاتھ ہوگا جس کا نام آسمان پر احمد ہوگا۔ (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۸)

مرزا صاحب اپنے مشہور خطبہ الہامیہ میں فرماتے ہیں۔

میرے رب نے میرا نام احمد رکھا ہے پس میری تعریف کرو اور مجھے دشنام مت دو۔ (ص۲)

ان کا مشہور شعر ہے کہ

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا		منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

(الفضل، بابت ۱۸ ار فروری ۱۹۳۰ء)

اس سلسلہ میں میاں محمود صاحب لکھتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا حضرت مسیح موعود کا نام احمد تھا یا آنحضرت کا اور کیا سورہ صف کی آیت جس میں، ایک رسول کی جس کا نام احمد ہوگا، بشارت دی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے یا حضرت مسیح موعود کے متعلق۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے متعلق ہے اور احمد آپ ہی ہیں۔ (انوارِ خلافت ص۱۸)

اس کی تائید صاحبزادہ بشیر احمد صاحب نے ان الفاظ میں کی۔

ان تمام الہامات میں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کو احمد کے نام سے پکارا ہے۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود بیعت لیتے وقت یہ اقرار لیا کرتے تھے کہ آج میں احمد کے ہاتھ پر اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر اس پر بس نہیں جبکہ آپ نے اپنی جماعت کا نام بھی احمدی جماعت رکھا۔ پس یہ بات یقینی ہے کہ آپ احمد تھے۔

(کلمۃ الفصل، مندرجہ رسالہ ریویو اوف ریلیجنز نمبر ۳، جلد ۱۴، صفحہ ۱۴۱-۱۳۹)

غُلام احمد

لیکن ایسا کہتے وقت ان حضرات کے دل میں یہ کھٹک رہی اور دوسروں نے بھی یہ اعتراض کیا کہ جب مرزا صاحب کا نام غلام احمد تھا تو آپ احمد کیسے ہو گئے۔ اس اعتراض کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

آپ کا یہ سوال ہے کہ بشارت تو احمد کی ہے اور مرزا صاحب غلام احمد ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ مطلق غلام احمد نہ عربی ہے کیونکہ اس صورت میں غلامُ احمد ہوتا۔ اور نہ یہ فارسی بن سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں غلامِ احمد ہوتا۔ اور نہ یہ نام اُردو ہو سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں احمد کا

غلام ہونا چاہیئے تھا[1]۔ اصل بات یہ ہے کہ..... چونکہ حضرت صاحب کے خاندان میں غلام کا لفظ اصل نام کے ساتھ اضافہ کے طور پر اس ملک کے رواج کے مطابق چلا آتا تھا اس واسطے آپ کے نام کے ساتھ بھی لگا دیا گیا۔

احادیث میں آتا ہے کہ مسیح جوان ہوگا۔ اور غلام کے معنی جوان کے ہیں جس سے یہ بتایا گیا کہ اس کے کام جوانوں کے سے ہیں۔ (الفضل، مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۱۶ء)

یہ جواب کسی تبصرہ کا محتاج نہیں (حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا جواب یہی حضرات دے سکتے تھے!) پہلے یہ کہا کہ "غلام" کا لفظ حضرت صاحب کے خاندان میں بطور اضافہ چلا آرہا تھا"۔ لیکن (غالباً) بعد میں خیال آیا کہ حضرت صاحب کے خاندانی بزرگوں کے نام یہ تھے ـــــ والد (غلام مرتضیٰ)' دادا (عطا محمد)' پردادا (گل محمد)۔ اس لئے غلام کا لفظ صرف ان کے والد کے نام کے ساتھ آیا تھا۔ ان کے خاندان میں نہیں چلا آرہا تھا۔ (غالباً) اسی خیال سے دوسری توجیہہ کی ضرورت پڑی کہ "مسیح جوان ہوگا"۔ اس لئے یہ بتایا گیا کہ ان کے کام جوانوں جیسے ہوں گے۔

یہ حضرات (غالباً) اس بات کو بھول گئے کہ اگر "غلام احمد" سے مراد احمد ہے' غلام کا لفظ خاندانی رواج کے مطابق محض اضافہ ہے' تو اس دلیل کی رُو سے' مرزا صاحب کے والد غلام مرتضیٰ (صاحب) بھی "مرتضیٰ" قرار پاتے ہیں کیا یہ حضرات ایسا ہی مانتے ہیں؟

پھر اس کا کیا جواب کہ امام بخاری کی ایک حدیث کی رُو سے' خود حضورؐ نے فرمایا کہ ـــــ لی خمسۃ اسماء۔ أنا محمد وأحمد وأنا الماحی..... وأنا الحاشر..... وأنا العاقب (بخاری' جلد دوم' صفحہ ۱۶۷۔ باب ما جاء فی اسماء رسول اللّٰہ)۔ یہاں حضورؐ نے خود اپنے اسماء گرامی محمد اور احمد بیان فرمائے ہیں۔

بہر حال احمدی حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے جس آنے والے رسول کی بشارت دی تھی اور اس کا نام احمد بتایا تھا' وہ مرزا غلام احمد ہی تھے۔ اسی بنا پر وہ انہیں (مرزا صاحب کو) احمد نبی اللہ کہہ کر پکارتے

---

[1] لیکن اس کا کیا جواب کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو خود "احمد کا غلام" کہتے رہے۔ ان کا مشہور شعر ہے۔

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے ــــ جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

(تذکرہ صفحہ ۴۵۵' بحوالہ الفضل مورخہ ۴/۵/۷)

ہیں۔ چنانچہ رسالہ احمدی نمبر ۵، ۶، ۷ بابت ۱۹۱۹ء موسومہ النبوۃ فی الالہام صلا۔ مؤلفہ قاضی محمد یوسف صاحب (قادیان) میں کہا گیا ہے۔

جری اللہ فی حلل الانبیاء سے صاف ثابت ہے کہ حضرت احمد علیہ السلام ایک عظیم الشان نبی اللہ و رسول اللہ ہیں اور ان کا انکار موجب غضب الٰہی اور کفر ہے۔

سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی

ربوہ کی جماعت "خدام الاحمدیہ" نے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس کا نام ہے "دینی معلومات ــ بطرز سوال و جواب"۔ ایک صاحب کی وساطت سے راقم الحروف کو اس (کے متعلقہ حصہ) کی فوٹوسٹیٹ کاپی موصول ہوئی ہے۔ اس میں سوال نمبر ۲۲ اور اس کا جواب قابلِ غور ہے۔

س ۲۲: قرآن کریم میں جن انبیاء کے اسماء کا ذکر ہے، بیان کریں؟

ج: حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، الیاسؑ، یونسؑ، ذوالکفلؑ، الیسعؑ، ادریسؑ، ایوبؑ، ذکریاؑ، یحییٰؑ، لقمانؑ، عزیرؑ، ذوالقرنینؑ[1]، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

درود شریف

جب مرزا صاحب ان تصریحات کی رو سے (بموجب عقیدہ "احمدی" حضرات) نبی قرار پا گئے تو آپ پر درود بھیجنا بھی لازم ٹھہر گیا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

پس آیہ "یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" کی رو سے اور ان احادیث کی رو سے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی تاکید پائی جاتی ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی درود بھیجنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجنا از بس ضروری ہے۔

(رسالہ درود شریف ص ۱۳۶ مصنفہ محمد اسمٰعیل صاحب قادیانی)

---

[1] لقمان، عزیر، ذوالقرنین کو قرآن نے بالتصریح نبی نہیں کہا۔

اور یہ خود مرزا صاحب کے ارشاد کے مطابق کہا گیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا۔

بعض بے خبر ایک یہ اعتراض بھی میرے پر کرتے ہیں کہ اس شخص کی جماعت اس پر فقرہ "علیہ الصلوٰۃ والسلام" اطلاق کرتے ہیں اور ایسا کرنا حرام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور دوسروں کا صلوٰۃ یا سلام کہنا تو ایک طرف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس کو پاوے میرا سلام اس کو کہے...... لہٰذا میری جماعت کا میری نسبت یہ فقرہ بولنا کیوں حرام ہوگیا۔　　(رسالہ درود شریف بحوالہ اربعین نمبر ۲ صفحہ ۶، مصنفہ مرزا صاحب)

پوری آیت

تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کی بنیاد سورۂ صف کی اس آیت پر ہے جس میں حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کا ذکر ہے۔ ہم نے قصداً اس آیت کا ایک حصہ درج کیا تھا۔ اب پوری آیت ملاحظہ فرمائیے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۗ　(۶۱/۶)

یہ آیت کا پہلا حصہ ہے۔ اس کا ترجمہ مرزا بشیر الدین محمود نے یوں کیا ہے۔

اور (یاد کرو) جب عیسیٰؑ ابن مریم نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہوں۔ جو (کلام) میرے آنے سے پہلے نازل ہو چکا ہے۔ یعنی توریت اس کی پیش گوئیوں کو میں پورا کرتا ہوں اور ایک ایسے رسول کی بھی خبر دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔　　(تفسیر صغیر صفحہ ۷۴۳)

آیت کا باقی حصہ یہ ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝　(۶۱/۶)

اس کا ترجمہ مرزا بشیر الدین محمود نے یہ کیا ہے۔

پھر جب وہ رسول دلائل لے کر آ گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا کھلا فریب ہے۔ (ایضاً)

آیت میں جَآءَهُمْ آیا ہے جو ماضی کا صیغہ (PAST TENSE) ہے اور اس کا ترجمہ "جب وہ رسول آگیا" صحیح طور پر کیا گیا ہے. آیت کے الفاظ سے واضح ہے کہ جس رسول کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی وہ زمانہ نزولِ قرآن میں آچکا تھا (ماضی کے صیغے کے معنی ہی یہ ہیں) اور ظاہر ہے کہ وہ خود نبئ اکرمؐ تھے۔ لہٰذا اس آیت سے کسی ایسے آنے والے رسول" کی دلیل لانا جو حضور نبئ اکرمؐ کے بعد آئے گا (اور اس کا نام احمد ہوگا) قرآنِ کریم کی صریحاً تحریف ہے۔ "آگیا" کو "آئے گا" میں تبدیل کرنا تحریف نہیں تو اور کیا ہے!

آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ جب مرزا بشیر الدین محمود نے اس آیت کے ترجمہ میں "آگیا" لکھا ہے تو پھر انہوں نے، حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کا مورد مرزا صاحب کو کیسے قرار دے دیا! اس کی توجیہہ بڑی دلچسپ ہے. انہوں نے (اپنے ترجمہ پر نشان دے کر نیچے) حاشیہ میں لکھا ہے۔

> اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے جو انجیل برنباس میں لکھی ہوئی ہے. عیسائی اس کو جھوٹی انجیل قرار دیتے ہیں مگر یہ یورپ کی لائبریری میں پائی جاتی ہے. اس کے علاوہ یہ بھی دلیل ہے کہ مروجہ اناجیل میں فارقلیط کی خبر دی گئی ہے جس کے معنیٰ "احمد" ہی کے بنتے ہیں پس اس آیت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاواسطہ اور آپ کے ایک بروز کی جس کا ذکر اگلی سورۃ میں ہے، بالواسطہ خبر دی گئی ہے۔
>
> (تفسیر صغیر ص ۷۴۳)

آپ نے دیکھا کہ قرآنِ کریم کی نصِ صریح کے بعد (جس کا ترجمہ خود انہوں نے "جب وہ آگیا" کیا ہے)، اور اس بشارت کا مورد نبئ اکرمؐ کو قرار دے کر، اسے کس طرح "ایک بروز" کی آڑ میں مرزا صاحب پر چسپاں کیا گیا ہے؟ ہم شروع میں کہہ چکے ہیں کہ ظل اور بروز اور حلول اور رجعت (کسی کے دوبارہ آنے) کے تمام تصورات مجوسیوں کے ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم کے یکسر خلاف ہیں. لیکن مرزا صاحب کا دعویٰ انہی مجوسی تصورات پر مبنی ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے اوپر کہا ہے کہ "آپ کے ایک بروز کی جس کا ذکر اگلی سورت میں ہے، بالواسطہ خبر دی گئی ہے." اس دعوے کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

انہوں نے کہا تو "اگلی سورت" میں ہے لیکن بروز کا ذکر اسی سورت کی اگلی آیت میں کر دیا ہے. اس لئے پہلے اس کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے. سورۃ صف کی اگلی آیت اور اس کا ترجمہ (مرزا

بشیر الدین محمود صاحب کے الفاظ میں) حسب ذیل ہے:۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۶۱/۷)

اور اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اور اللہ ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔ (ترجمہ محمود صاحب)

محمود صاحب اس کے نیچے حاشیے میں لکھتے ہیں:۔

اس آیت میں اس بات کو ظاہر کیا گیا ہے کہ آپ کے بروز کی بابت خاص توجہ چاہیئے جو ہے تو پیشگوئی کا بالواسطہ مورد لیکن اسلام کی طرف اس کو بلایا جائے گا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خود دنیا کو اسلام کی طرف بلاتے تھے (تفسیر صغیر ص۷۴۲)

بعض اوقات انسان کی زبان اور قلم پر غیر شعوری طور پر اس طرح سچی بات آجاتی ہے کہ اسے دیکھ کر واقعی حیرت ہوتی ہے۔ میاں محمود صاحب نے اس آیت میں مرزا صاحب کو اس پیشگوئی کا بالواسطہ مورد اور بروز قرار دیا ہے۔ لیکن قرآن نے اس "مبینہ" "بروز" کے متعلق کہا ہے کہ "وہ ظالم خدا پر افترا باندھے گا۔ اور کبھی راہِ راست پر نہیں آئے گا۔ حالانکہ اسے اسلام کی طرف دعوت بھی دی جاتے گی۔" کیسا صحیح چسپاں کیا ہے بیٹے (مرزا بشیر الدین محمود صاحب) نے قرآن کی اس تصریح کو اپنے والد (مرزا غلام احمد صاحب) پر۔

سورۂ صف سے اگلی سورت، سورۂ جمعہ ہے۔ اس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ .... ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ۙ

وہی خدا ہے جس نے ایک ان پڑھ قوم کی طرف اس میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا (جو کہ باوجود ان پڑھ ہونے کے) ان کو خدا کے احکام سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے گو وہ اس سے پہلے بڑی بھول میں تھے۔

(ترجمہ، مرزا بشیر الدین محمود)

اس کے بعد ہے:۔

وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ
(۶۲/۴)

اور یہ ان کی طرف بھی رسول ہے جو اس مخاطب کے بعد آنے والے ہیں اور یہ پروگرام اس خدا کا ہے جو بڑے غلبہ اور حکمت کا مالک ہے۔

آیت نمبر ۲ اور آیت نمبر ۳ کو ملا لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ رسول (یعنی محمد رسول اللہ) صرف قوم مخاطب ہی کی طرف رسول نہیں بلکہ ان اقوام کی طرف بھی رسول ہے جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن کریم کے دیگر مقامات سے بھی ہوتی ہے جہاں کہا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ تمام نوعِ انسان کی طرف رسول تھے۔ مثلاً سورۂ سبا میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۴/۲۸)

اور ہم نے تجھ کو تمام نوعِ انسان کی طرف (جن میں سے ایک بھی تیرے حلقۂ رسالت سے باہر نہ رہے ایسا) رسول بنا کر بھیجا ہے جو (مومنوں کو) خوشخبری دیتا اور (کافروں کو) ہوشیار کرتا ہے لیکن انسانوں میں سے اکثر اس حقیقت سے واقف نہیں۔ (ترجمہ مرزا محمود صاحب)

اور وہ حاشیہ میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

یہاں کافۃ للنّاس کے الفاظ ہیں۔ اور كَفَّ الشَّيْءَ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو اس طرح جمع کیا جائے کہ اس کا کوئی حصہ باہر نہ رہے۔ (اقرب) یہ آیت اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ یہودی یا عیسائی یا اور کسی مذہب کا اور خواہ قیامت تک کسی صدی میں پیدا ہونے والا ہو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کے ماتحت ہے۔ ایسا کوئی دعویٰ نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں نہ ویدوں میں۔ بلا استثناء سب مذاہب کی طرف اور سب زبانوں کی طرف اور سب قوموں کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جو اس آیت سے ثابت ہے۔ (تفسیر صغیر ص ۵۶۲)

اس سے سورۂ جمعہ کی آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ دیکھئے کہ مرزا بشیر الدین محمود اس آیت کا مفہوم کیا پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ان کا پیش کردہ مفہوم سامنے لایا جائے تجدید یادداشت کے لئے اسے دہرا لیجئے کہ مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ کوئی دوسرے رسول نہیں، خود محمدؐ ہی ہیں جو بارِ دگر دنیا میں آئے ہیں۔ (تفصیل پہلے گذر چکی ہے)۔ اس

دعویٰ کی روشنی میں مرزا بشیرالدین محمود صاحب کا (اس آیت یعنی ۶۲/۴ کا) ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیے۔
وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:۔

اور ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی وہ اس کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے ملی نہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (تفسیر صغیر ص ۷۴۵)

یعنی خدا نے محمدؐ کو اس وقت صرف ان عربوں کی طرف بھیجا ہے اور اس کے بعد وہ انہیں ایک اور قوم کی طرف بھی بھیجے گا۔ لیکن ان کا دوبارہ دنیا میں آنا بروزی شکل میں ہوگا۔

اس ترجمہ کے بعد ان کی تشریح ملاحظہ فرمائیے، وہ حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

اس آیت میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ آخرین کون ہیں! تو آپ نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا

لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ اَوْ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسَ (بخاری)

یعنی اگر ایک وقت ایمان ثریا تک بھی اڑ گیا تو اہلِ فارس کی نسل سے ایک یا ایک سے زیادہ لوگ اسے واپس لے آئیں گے۔ اس میں مہدی معہود کی خبر ہے۔

(تفسیر صغیر ص ۷۴۵)

اور یہ "مہدی معہود" مرزا غلام احمد ہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ مرزا صاحب کے دعاوی کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم میں کس طرح کھینچا تانی کی جا رہی ہے! جس رسول کی رسالت خود (مرزا بشیرالدین محمود صاحب کے الفاظ میں) بلا استثناء تمام مذاہب تمام زمانوں، تمام قوموں کو قیامت تک محیط ہے۔ اس کے بعد کسی اور آنے والے کا کیا سوال! لیکن یہ حضرات رسالتِ محمدیہ کی (قیامت تک) ابدیت اور ہمہ گیریت کے بھی قائل ہیں اور پھر ایک اور آنے والے کے بھی مدعی! اس دعویٰ کی بنیاد روایت پر ہے۔ قرآن پر نہیں۔

فارسی النسل

پھر یہاں جو فارسی النسل ہونے کا ذکر ہے، یہ بڑی دلچسپ چیز ہے۔ لیکن اس کی تشریح کا یہ مقام

نہیں. جو حضرات اس سے دلچسپی رکھتے ہوں، وہ میری کتاب "شاہکارِ رسالت" کا آخری باب ملاحظہ فرمائیں۔ اس مقام پر صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ اس فارسی الاصل ہونے کی شرط نے پھر ایک مشکل پیدا کردی. مرزا صاحب مغل (برلاس) خاندان سے متعلق تھے جو فارسی الاصل نہیں ہوسکتا. یہ واقعی مشکل تھی جس کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا. لیکن اس کا حل بھی "وحی" نے پیدا کردیا.

مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

> یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے. کوئی تذکرہ ہمارے خاندان میں نہیں دیکھا گیا کہ وہ بنی فارس کا خاندان تھا. ہاں بعض کاغذات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ہماری بعض دادیاں شریف اور مشہور سادات میں سے تھیں. اب خدا کے کلام سے معلوم ہوا کہ دراصل ہمارا خاندان فارسی خاندان ہے. سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں...... کیونکہ خاندانوں کی حقیقت جیسی کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کسی کو ہرگز نہیں. (اربعین نمبر ۲ ص ۱۷)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

> میرے پاس فارسی ہونے کے لئے بجز الہامِ الٰہی کے اور کچھ ثبوت نہیں. (تحفہ گولڑویہ ۲۹)

محمدؐ کے اوتار

بات یہاں سے چلی تھی کہ مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ نبوت کی بنیاد حضرت عیسیٰؑ کی اس بشارت پر رکھی جو قرآن کریم (سورۂ صف) میں مذکور ہے لیکن اس میں پیچ یہ آپڑا کہ اس میں آنے والے رسول کا نام احمدؐ بتایا گیا ہے. پہلے یہ کوشش کی گئی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ مرزا صاحب کا نام درحقیقت احمد تھا لیکن اس میں بھی بہت سے اشکال لاحق تھے کیونکہ یہ ثابت تھا کہ خود حضور نبی اکرمؐ کے اسمائے گرامی محمدؐ اور احمدؐ (دونوں) تھے اس الجھن کو مرزا صاحب نے یہ کہہ کر دُور کردیا کہ میں رسول اللہؐ کا (معاذ اللہ) اوتار ہوں. اس لئے جو نام حضورؐ کے تھے وہی میرے ہیں. ان کے الفاظ میں:۔

> اس وقت خدا نے جیسا کہ حقوق عباد کے تلف کے لحاظ سے میرا نام مسیح رکھا اور مجھے خُو اور بُو اور رنگ اور روپ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ مسیح کا اوتار کرکے بھیجا. ایسا ہی اس نے

حقوق بندگی کے تلف کے لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد رکھا اور مجھے توحید پھیلانے کے لئے تمام خو اور بو اور رنگ اور روپ اور جامہ محمدی پہنا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اوتار بنا دیا۔　　(ضمیمہ رسالہ جہاد ص۶-۷)

اس دعوے کو صاحبزادہ بشیر احمد صاحب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اس جگہ کسی کو یہ وہم نہ گزرے کہ ہم نعوذ باللہ نبی کریمؐ کو احمد نہیں مانتے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آپ احمد تھے۔ بلکہ ہمارا تو یہاں تک خیال ہے کہ آپ کے سوا کوئی احمد نہیں اور نہ کوئی احمد ہو سکتا ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا آپ اپنی پہلی بعثت میں بھی احمد تھے؟ نہیں! بلکہ آپ اپنی پہلی بعثت میں محمدیت کی جلالی صفت میں ظاہر ہوئے تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ صف میں کسی ایسے رسول کی پیش گوئی کی گئی ہے جو احمد ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ پیش گوئی نبی کریمؐ کی پہلی بعثت کے متعلق نہیں بلکہ آپ کی دوسری بعثت یعنی مسیح موعود کے متعلق ہے کیونکہ مسیح موعود جمالی صفت کا مظہر یعنی احمد ہے...... اس حقیقت کو حضرت مسیح موعود نے اپنی کتاب "اعجاز المسیح" میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور کھول کھول کر بتایا ہے کہ نبی کریمؐ کے دو بعث ہیں۔ بعث اول میں اسم محمدؐ کی تجلی تھی۔ مگر بعث دوم اسم احمد کی جلوہ گری کے لئے ہے۔

(کلمۃ الفصل، مندرجہ رسالہ ریویو اوف ریلیجنز
قادیان نمبر ۳، جلد ۱۴، ص۱۳۹-۱۴۱)

ہم سمجھتے ہیں کہ اس بات میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جب معاملہ "اوتار" تک پہنچ گیا تو پھر کون سی کسر باقی رہ گئی!

احمدی جماعت

بہرحال اس طرح مرزا صاحب نے رسول (باحمد) ہونے کا دعویٰ کیا۔ اپنی جماعت کا نام احمدی رکھا اور اس جماعت میں شامل ہونے والوں کو صحابہ کہا گیا۔ خطبہ الہامیہ میں کہا۔

مسیح موعود کے عین محمدؐ ہونے کی اول دلیل یہ ہے جو حضرت مسیح موعود الہامی شان کے الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔ اور خدا نے مجھ پر اس رسولِ کریم کا فیض نازل فرمایا اور اس نبی کریم کے لطف اور جُود کو میری طرف کھینچا یہاں تک کہ میرا وجود اس کا وجود ہو گیا۔ پس وہ جو میری جماعت میں شامل ہوا درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔

(خطبہ الہامیہ، مرزا محمود صاحب نمبر ۱۷۱)

اخبار الفضل میں ہے۔

پس ہمارا صحابہ کی جماعت میں شامل ہونا مسیح موعود کے عین محمدؐ ہونے پر ایک پختہ اور بدیہی دلیل ہے۔ (الفضل، ۷ر اگست ۱۹۱۵ء)

دوسری جگہ ہے۔

پس ہر احمدی کو جس نے احمدیت کی حالت میں حضور علیہ السلام کو دیکھا یا حضور نے اسے دیکھا صحابی کہا جائے۔ (الفضل، ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

قادیان۔ ارضِ حرم

جب مرزا صاحب "رسول" ٹھہرے اور ان کی جماعت میں شامل ہونے والے "صحابہ" تو جس سرزمین (قادیان) پر ان کی "بعثت" ہوئی۔ وہ خود بخود "ارضِ حرم" قرار پا گئی۔ چنانچہ مرزا صاحب کا مشہور شعر ہے کہ

زمینِ قادیان اب محترم ہے ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

(درثمین صفحہ ۵۲، مجموعۂ کلام مرزا صاحب)

قرآن کریم میں کعبہ کے متعلق ہے کہ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (۳/۹۶)۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صفت قادیان کی مسجد کے متعلق ہے۔ ارشاد ہے:۔

"بیت الفکر سے مراد اس جگہ وہ چوبارہ ہے جس میں یہ عاجز کتاب (براہین احمدیہ) کی تالیف کے لئے مشغول رہا ہے اور رہتا ہے۔ اور "بیت الذکر" سے مراد وہ مسجد ہے جو اس چوبارہ کے پہلو میں بنائی گئی ہے۔ اور آخری فقرہ مذکورہ بالا (وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا) اس مسجد کی صفت میں بیان فرمایا ہے۔ (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸، حاشیہ در حاشیہ)

مسجدِ اقصیٰ بھی قادیان ہی کی مسجد کا نام ہے۔ اخبار الفضل میں ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ (۱۷/۱) کی آیت کریمہ میں مسجدِ اقصیٰ سے مراد قادیان کی مسجد ہے۔ (الفضل مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۳۲ء)

میاں محمود صاحب نے کہا۔

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا ہے کہ قادیان کی زمین بابرکت ہے۔ یہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ والی برکات نازل ہوتی ہیں۔

(بحوالہ الفضل مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۲ء)

ضمناً یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ میاں محمود صاحب نے فرمایا ہے کہ " اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا ہے "۔ بالفاظِ دیگر میاں صاحب بھی وحی کے مدعی تھے۔ اب آگے بڑھئے۔

شعائر اللہ

انہوں نے ۱۹۳۲ء کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

پھر شعائر اللہ کی زیارت بھی ضروری ہے۔ یہاں (قادیان میں) کئی ایک شعائر اللہ ہیں مثلاً یہی ایک علاقہ ہے جہاں جلسہ ہو رہا ہے ..... اسی طرح شعائر اللہ میں مسجد مبارک، مسجدِ اقصیٰ منارۃ مسیح شامل ہیں۔ (اخبار الفضل مورخہ ۸ جنوری ۱۹۳۳ء)

حج بھی

جب ارضِ قادیان، ارضِ حرم قرار پائی تو وہاں کا اجتماع بھی حج کہلائے گا۔ چنانچہ میاں محمود صاحب نے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔

چونکہ حج پر وہی لوگ جاسکتے ہیں جو مقدرت رکھتے اور امیر ہوں حالانکہ الٰہی تحریکات پہلے غرباء ہی میں پھیلتی اور پنپتی ہیں۔ اور غرباء کو حج سے شریعت نے معذور رکھا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ظلی حج مقرر کیا تا وہ قوم جس سے وہ اسلام کی ترقی کا کام لینا چاہتا

ہے اور تا وہ غریب یعنی ہندوستان کے مسلمان اس میں شامل ہو سکیں۔
(بحوالہ الفضل، یکم دسمبر ۱۹۳۲ء)

یہاں قادیان کے حج کو ظلی حج کہا۔ یہ "تدریجی دعاوی" کی منزل اوّل تھی۔ ایک اور صاحب نے فرمایا۔

جیسے احمدیت کے بغیر پہلا اسلام یعنی حضرت مرزا صاحب کو چھوڑ کر جو اسلام باقی رہ جاتا ہے خشک اسلام ہے۔ اسی طرح اس ظلی حج کو چھوڑ کر مکہ والا خشک حج رہ جاتا ہے۔

اس قول کو احمدی حضرات کی لاہوری شاخ کے ترجمان "پیغام صلح" کی ۱۹۔اپریل ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں شائع کیا گیا ہے لیکن ان صاحب کا نام نہیں بتایا گیا جنہوں نے ایسا فرمایا تھا۔

حج اکبر

قادیان کے سالانہ جلسہ میں شریک ہونے والوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا۔

(بہشتی مقبرہ میں) وہ روضہ مطہرہ ہے جس میں اس خدا کے برگزیدہ کا جسم مبارک مدفون ہے جسے افضل الرسل نے اپنا سلام بھیجا اور جس کی نسبت حضرت خاتم النبیین نے فرمایا یدفن معی فی قبری۔ اس اعتبار سے مدینہ منورہ کے گنبد خضریٰ کے انوار کا پورا پورا پرتو اس گنبد بیضا پر پڑ رہا ہے اور آپ گویا ان برکات سے حصہ لے سکتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد منور سے مخصوص ہیں۔ کیا ہی بد قسمت ہے وہ شخص جو احمدیت کے حج اکبر میں اس تمتع سے محروم رہے۔
(الفضل مورخہ ۱۸، دسمبر ۱۹۲۲ء)

اس مقام پر اتنا اور واضح کر دینا بھی مناسب ہے کہ میاں محمود احمد صاحب نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ

جب میں حج کرنے گیا تھا تو اپنے طور پر جماعت کرا کر مسجد حرام میں نماز پڑھتا تھا۔
(بحوالہ الفضل مورخہ ۷، مارچ ۱۹۱۴ء)

ان تصریحات کی روشنی میں آپ سوچئے کہ کیا کوئی بات بھی ایسی ہے جس میں احمدی "حضرات" مسلمانوں سے الگ نہ ہو چکے ہوں۔ اس مقام پر صاحبزادہ بشیر احمد صاحب کا وہ قول ایک بار پھر نقل کر دینا مناسب ہو گا جسے پہلے بھی درج کیا جا چکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا جو ہم ان کے ساتھ مل کر کرسکتے ہیں۔
(کلمۃ الفصل، مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز نمبر ۳ جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۹)

جُداگانہ کلمہ

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب "احمدی" حضرات اپنے آپ کو ہر لحاظ سے مسلمانوں سے الگ سمجھتے ہیں تو پھر اپنا کلمہ بھی الگ کیوں نہیں وضع اور اختیار کر لیتے۔ "کلمہ" کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ دیگر معاملات میں الگ ہو جانے سے، عندالضرورت تاویلات سے کام لیا جاسکتا ہے لیکن کلمہ کے الگ کر لینے سے کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی اور اس سے مسلمان عوام کے مشتعل ہو جانے کا اندیشہ بدیہی ہے (جیسا کہ آگے جاکر بتایا جائے گا۔) "احمدی" حضرات مسلمانوں سے کھلے بندوں الگ ہو جانا سردست اپنے مفاد و مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے کلمہ میں محمد کے بجائے "احمد" کا لفظ رکھنے سے ہچکچاتے ہیں۔ لیکن آپ یہ سُن کر متعجب ہوں گے کہ یہ حضرات کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" میں محمد سے مراد مرزا صاحب ہی لیتے ہیں ــــ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔

> اگر ہم بفرضِ محال یہ بات مان بھی لیں کہ کلمہ شریف میں نبی کریمؐ کا اسم مبارک اس لئے رکھا گیا ہے کہ آپ آخری ہیں تو تب بھی کوئی حرج واقعہ نہیں ہوتا اور ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود نبی کریمؐ سے الگ چیز نہیں۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے "صار وجودی وجودہ" نیز من فرق بینی و بین المصطفٰی فما عرفنی و ما رأی" اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت اٰخرین منھم سے ظاہر ہے پس مسیح موعود خود محمدؐ رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ اس لئے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں ہاں اگر محمدؐ رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔
>
> (کلمۃ الفصل، مندرجہ ریویو آف ریلیجنز نمبر ۴ جلد ۱۴ صفحہ ۱۵۸)

آپ نے غور فرمایا کہ کیسی لطیف اور ساحرانہ غیر مرئی ہے یہ دھول جو دوسروں کی آنکھوں میں جھونکی جارہی ہے۔

لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ نظری توجیہہ محض دکھاوے کے لئے ہے۔ ان حضرات کی مجالس میں جو کلمہ پڑھا جاتا ہے اس میں احمد ہی کا نام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب منشی ظہیر الدین نے جلسۂ قادیان کے جو چشم دید حالات لکھے ان میں کہا کہ:۔

> چوتھی بات جو میں نے جلسہ میں دیکھی تھی وہ اختلافِ عقاید تھا۔ اور میں حیران رہ گیا جب بعض احباب نے لا الٰہ الا اللّٰہ احمد جری اللّٰہ کو درست اور صحیح قرار دیتے ہوئے اس کو پڑھنے اور بطور احمدی عقاید کے خلاصہ کے تسلیم کرنے کا اقرار کیا بلکہ بعض سے میں نے یہ بھی سُنا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ محمدی کلمہ ہے۔ اور احمدی کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ احمد جری اللّٰہ ہے۔

ممکن ہے "احمدی" (قادیانی) حضرات اس بیان کو صحیح تسلیم نہ کریں، اس لئے ہم اس پر زور نہیں دیتے۔ ہمارے نزدیک، صاحبزادہ بشیر احمد صاحب کی توجیہہ بڑی وزنی شہادت ہے اس امر کی کہ ان حضرات کے ہاں کلمہ طیبہ کے الفاظ تو وہی ہیں لیکن اس میں محمد سے مراد مرزا صاحب ہیں۔

ویسے بھی جب ان حضرات کے عقیدہ کی رُو سے ایک شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے اقرار سے مسلمان نہیں ہو سکتا، کافر کا کافر رہتا ہے تو مسلمانوں کا کلمہ، بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کلمہ کے ساتھ اگر مرزا صاحب کی نبوت کا اقرار نہ کیا جائے تو (ان حضرات کے عقیدہ کی رُو سے) کوئی شخص حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا ۔ لہٰذا حلقہ بگوش اسلام ہونے اور مسلمان بننے کے لئے حقیقی کلمہ وہی ہے جس میں مرزا صاحب کو "رسول اللہ" مانا جائے۔ اور (سردست) اس کی عملی شکل یہ ہے کہ "محمد رسول اللہ" میں محمد سے مراد مرزا صاحب لئے جائیں۔

خاتم النّبیّین کا مفہوم

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے مسلمانوں اور "احمدیوں" میں بنیادی نزاع مسئلہ ختمِ نبوت ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک حضور نبی اکرمؐ کا خاتم النّبیّین ہونا اسلام کا بنیادی مطالبہ اور مسلمان ہونے کی اساسی شرط ہے۔ گذشتہ ساٹھ ستر برس سے مسلمانوں کی ان حضرات کے ساتھ اسی مسئلہ پر بحث ہو رہی ہے لیکن یہ بات عوام کے لئے سخت حیرت کا موجب ہوتی ہے کہ "احمدی" حضرات اٹھتے بیٹھتے، حضور نبی کریمؐ کو خاتم النّبیّین کہتے ہیں۔ ان کی تحریروں، ان تقریروں میں ہر جگہ حضورؐ کے اسمِ گرامی کے ساتھ خاتم النّبیّین ملے گا۔ جب عام

مسلمان ان پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نبی اکرمؐ کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے تو یہ دھڑلے سے جواب دیتے ہیں کہ یہ تمہارے مولویوں کا پھیلایا ہوا جھوٹ ہے. تم دیکھتے نہیں کہ ہم کس طرح ایک ایک سانس میں حضور نبی اکرمؐ کے لئے خاتم النبیین کا لقب استعمال کرتے ہیں. ان کا یہ جواب عوام کو خاموش کر دینے کا بڑا کامیاب حربہ ہوتا ہے.

آپ دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی ہیں وہ آخری نبی جس کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا. لیکن "احمدی" حضرات کے نزدیک اس کے معنی ہیں وہ نبی جس کی مہر سے مرزا صاحب نبی بن گئے تھے. لہٰذا جب "احمدی" حضرات کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں تو اس سے ان کا مفہوم اپنا ہوتا ہے۔ الفاظ وہی، مفہوم نہ صرف الگ بلکہ مسلمانوں کے مفہوم کے یکسر خلاف. سنئے کہ اس باب میں "احمدیوں" کے خلیفۂ اول حکیم نور الدین صاحب کیا ارشاد فرماتے ہیں. کہتے ہیں.

> رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ مجید میں خاتم النبیین فرمایا، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم نہ کرے تو بالاتفاق کافر ہے. یہ جدا امر ہے کہ ہم اس کے کیا معنی کرتے ہیں اور ہمارے مخالف کیا
>
> (ارشاد حکیم نور الدین صاحب مندرجہ نہج المصلے ص۲۷۵ مؤلفہ محمد فضل صاحب قادیانی)

اس کی مزید وضاحت ان الفاظ میں ملتی ہے.

> ہم تو جیسے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے قائل تھے، ویسے ہی اب بھی ہیں. اور ختمِ نبوت کے ساتھ ہی مرزا صاحب کی نبوت بھی قائم ہے. اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو حضرت مرزا صاحب بھی نبی ہیں. گویا ختمِ نبوت اور مسیح موعود کی نبوت لازم و ملزوم ہیں، ہمارے جلسوں، تحریروں اور تقریروں اور یہاں تک کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ سے بیعت کے اقراری الفاظ میں بھی خاتم النبیین کا اقرار مقدم رکھا گیا ہے.
>
> (الفاروق، قادیان، مؤرخہ ۲۸ فروری ۱۹۳۵ء)

آپ نے "ترجیح" ملاحظہ فرمالئے.

الہامات کا نمونہ

ہم نے شروع میں کہا ہے کہ ہم اپنی اس کتاب کو علمی دائرہ تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے ہم نے مرزا صاحب کے الہامات کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ وہ علمی گفتگو کا موضوع بن نہیں سکتے۔ لیکن چونکہ قارئین کو تجسس ہوگا کہ جس شخص نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے' دیکھنا چاہیئے کہ اس کے الہامات کس قسم کے تھے۔ اس لئے ہم ان کی تسکین کاوش کے لئے مرزا صاحب کے الہامات کے صرف دو تین نمونے پیش کرتے ہیں۔ انہی سے قارئین ان کے باقی الہامات کا اندازہ لگا سکتے ہیں (الہامات کے سلسلہ میں مرزا صاحب نے کہا تھا کہ ان پر وحی اور الہامات کا نزول بارش کی طرح ہوتا ہے اور یہ سلسلہ قریب اٹھائیس سال ۱۸۸۰ء تا غایت ۱۹۰۸ء تک جاری رہا۔ اس سے آپ ان کی مقدار کا اندازہ کر سکتے ہیں) بہرحال آپ دو ایک الہامات و مکاشفات ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) میں نے دیکھا کہ ایک بلی ہے اور گویا کہ ایک کبوتر ہمارے پاس ہے وہ اس پر حملہ کرتی ہے۔ بار بار ہٹانے سے باز نہیں آتی تو بالآخر میں نے اس کا ناک کاٹ دیا ہے اور خون بہہ رہا ہے پھر بھی باز نہ آئی تو میں نے اسے گردن سے پکڑ کر اس کا منہ زمین سے رگڑنا شروع کیا۔ بار بار رگڑتا تھا لیکن پھر بھی سر اٹھاتی جاتی تھی' تو آخر میں نے کہا کہ آؤ اسے پھانسی دے دیں۔

(ارشاد مرزا صاحب' مندرجہ مکاشفات صـ۳۲'

مؤلفہ بابو منظور الٰہی' قادیانی)

(۲) ایک اور کشف ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا۔

(ٹریکٹ نمبر ۳۴۔ اسلامی قربانی' مصنفہ قاضی یار محمد صاحب قادیانی)

(۳) مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں۔

مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرا دیا گیا۔

ل (SEXUAL)

اور آخر کئی مہینے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے عیسٰیؑ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔ (کشتیٔ نوح ص۴۷)

علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی ماہر علم النفس مرزا صاحب کا نفسیاتی تجزیہ (PSYCHO ANALYSIS) کر کے بتائے کہ وہ کس قسم کے نفسیاتی (COMPLEXES) کے مریض تھے اور اس کی بنیادی وجہ کیا تھی۔ اس قسم کے تھے وہ الہامات جن کے پیش نظر انہوں نے اس امر کی ضرورت محسوس کی تھی۔ ویسے خود "احمدی" حضرات کی بھی تحقیق ہے کہ مرزا صاحب مراق (مالیخولیا) کے مریض تھے۔

مراق کا مرض مرزا صاحب کو موروثی نہ تھا بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا اور اس کا باعث سخت دماغی محنت، تفکرات، غم اور سوءِ ہضم تھا جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دورانِ سر کے ذریعے ہوتا تھا۔

(رسالہ ریویو اوف ریلیجنز، قادیان، بابت اگست ۱۹۲۶ء)

صاحبزادہ بشیر احمد صاحب، اپنی تالیف سیرۃ المہدی (حصہ دوم) میں لکھتے ہیں:-

ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سُنا ہے کہ مجھے ہسٹیریا ہے بعض اوقات آپ مراق بھی فرمایا کرتے تھے۔ (ص۵۵)

جن حضرات نے ولیم جیمز کی شہرۂ آفاق کتاب (THE VARIETIES OF RELIGIOUS EXPERIENCE) کا مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہے کہ اس (ماہر نفسیات) کی تحقیق کی رُو سے مراق یا ہسٹیریا کے مریض کس طرح کشف و الہام کے مدعی بن جاتے ہیں۔ ہمیں بہرحال اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم مرزا صاحب کے الہامات کے نمونے پیش کر رہے تھے۔ ایک اور ملاحظہ فرمایئے۔

ایک میرے مخلص عبداللہ نام پٹواری غوث گڑھ، علاقہ پٹیالہ کے دیکھتے ہوئے اور ان کی نظر کے سامنے یہ نشانِ الٰہی ظاہر ہوا کہ اول مجھ کو کشفی طور پر دکھلایا گیا کہ میں نے بہت سے احکام قضا و قدر کے اہلِ دنیا کی نیکی بدی کے متعلق اور نیز اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے لکھے ہیں اور پھر تمثیل کے طور پر میں نے خدائے تعالیٰ کو دیکھا اور وہ کاغذ جناب باری کے آگے رکھ دیا کہ وہ اس پر دستخط کر دیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ سب باتیں جن کے ہونے کے لئے

میں نے ارادہ کیا ہے، ہو جائیں۔ سو خدائے تعالیٰ نے سُرخ سیاہی سے دستخط کر دیئے اور قلم کی نوک پر جو سُرخی زیادہ تھی اس کو جھاڑا اور معاً جھاڑنے کے ساتھ ہی اس سرخی کے قطرے میرے کپڑوں اور عبداللہ کے کپڑوں پر پڑے۔ اور چونکہ کشف کی حالت میں انسان بیداری سے تعلق رکھتا ہے اس لئے مجھے جبکہ ان قطروں سے جو خدائے تعالیٰ کے ہاتھ سے گرے اطلاع ہوئی۔ ساتھ ہی بچشم خود ان قطروں کو بھی دیکھا اور میں رقتِ دل کے ساتھ اس قصے کو میاں عبداللہ کے پاس بیان کر رہا تھا کہ اتنے میں اس نے بھی وہ تر بہ تر قطرے کپڑوں پر پڑے ہوئے دیکھے اور کوئی چیز ایسی ہمارے پاس موجود نہ تھی جس سے اس سُرخی کے گرنے کا کوئی احتمال ہوتا۔ اور وہ وہی سرخی تھی جو خدائے تعالیٰ نے اپنے قلم سے جھاڑی تھی۔ اب تک بعض کپڑے میاں عبداللہ کے پاس موجود ہیں جن پر وہ بہت سی سرخی پڑی تھی۔

(تریاق القلوب ص۳۴ و حقیقۃ الوحی ص۲۵۵ باختلاف الفاظ)

اللہ تعالیٰ کے قلم سے مادّی روشنائی (MATERIAL INK) کے قطرے، جن کے دھبّے ان کے کپڑوں پر پڑے، "عقیدت مندوں" کے ذہن ہی کے لئے قابلِ فہم ہو سکتے ہیں، ورنہ خدا کے متعلق ایسا تصور! — سبحان اللہ وتعالیٰ عمّا یصفون۔

الہام کی زبان

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

اور یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصلی زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں تکلیف مالایطاق ہے۔

(چشمۂ معرفت ص۲۰۹)

وحی کے متعلق قرآنِ کریم کا بھی ارشاد ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (۱۴/۴)

ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کی (طرف وحی) اس کی قوم کی زبان میں نہ بھیجی ہو۔

لے سُرخی کی سیاہی قابلِ غور ہے۔

مرزا صاحب نے فرمایا کہ "یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔" لیکن دوسری جگہ خود ہی فرمایا کہ

> زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔ (نزول المسیح ص۵۷)

اس سے انہیں کس قدر دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس کا اندازہ ان کے ایک خط سے لگ سکتا ہے جو انہوں نے میر عباس علی شاہ صاحب کے نام لکھا تھا۔ تحریر تھا۔

> چونکہ اس ہفتے میں بعض کلمات انگریزی وغیرہ الہام ہوئے ہیں اور اگرچہ بعض ان میں سے ایک ہندو لڑکے سے دریافت کئے ہیں مگر قابل اطمینان نہیں۔ اور بعض منجانب اللہ بطور ترجمہ الہام ہوا تھا اور بعض کلمات شاید عبرانی ہیں۔ ان سب کی تحقیق و تنقیح ضرور ہے..... آپ جہاں تک ممکن ہو بہت جلد دریافت کر کے صاف خط میں جو پڑھا جاوے اطلاع بخشیں۔
>
> (مکتوبات احمدیہ، جلد اول ص۶۸)

ایک "مامور من اللہ" کی دشواریاں بھی کس قدر ہوتی ہیں! خدا اس کی طرف ایسی زبان میں الہام نازل کر دیتا ہے جسے وہ سمجھتا نہیں اور اسے اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے ہندو لڑکوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے سچ ہے،

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کی سوا مشکل ہے!

تناقضات

مرزا صاحب نے جس قدر دعاوی کئے اور جس قدر بیانات دیئے ان کے اقتباسات آپ کی نظروں سے گزر چکے ہیں۔ ان سب میں ایک چیز آپ کو بطور قدرِ مشترک ملے گی اور وہ یہ کہ ان کے دعاوی اور بیانات باہمد گر مختلف اور متناقض (SLEF CONTRADICTORY) ہیں۔ اس قدر متناقض کہ انہیں (مرزا صاحب کو) مخالفین کے اعتراضات سے تنگ آ کر یہاں تک کہہ دینا پڑا کہ ان کے دعاوی میں جہاں جہاں بھی نبی کا لفظ آیا ہے اُس کو کاٹا ہوا تصور کیا جائے۔ اور میاں محمود احمد صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ مرزا صاحب کی سنہ ۱۹۰۱ء سے قبل کی تحریروں سے سند نہ لائی جائے۔ وہ سب مرفوع القلم

ہیں۔ ان تناقضات کی بیّن مثال ابھی ابھی ہمارے سامنے آئی ہے وہ کہتے ہیں کہ :۔

یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔

زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں۔

جس شخص کے بیانات میں تناقض پایا جائے اس کے متعلق ہم سے نہیں خود مرزا صاحب سے سنئے۔ فرماتے ہیں :۔

کسی سچیار عقلمند اور صاف دل انسان کے کلام میں ہرگز تناقض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی پاگل یا مجنوں یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو اس کا کلام بیشک متناقض ہو جاتا ہے۔ (ست بچن صفحہ ۳۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس انسان کی حالت ہے کہ ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸۴)

اور قول فیصل یہ کہ :۔

جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ، حصہ پنجم، صفحہ ۱۱۲)

قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ اس میں کوئی بات اختلافی (یعنی متناقض) نہیں (۴/۸۲)۔

ان تصریحات کی روشنی میں آپ مرزا صاحب کے متعلق خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ وہ کیا تھے؟ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

علمی سطح

جن حضرات کو مرزا صاحب کی تصانیف پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ علمی نقطۂ نگاہ سے وہ کس قدر پست ہیں۔ چونکہ یہ موضوع بڑی تفصیل کا متقاضی ہے اس لئے ہم اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے۔ اس مقام پر ہم صرف دو چار مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ مرزا صاحب کی تاریخی اور دینی معلومات کیسی تھیں۔

تاریخ

فرماتے ہیں:۔

تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی ایک یتیم لڑکا تھا جس کا باپ پیدائش سے چند دن بعد ہی فوت ہو گیا۔ (پیغام صلح صفحہ ۹، مصنفہ مرزا صاحب)

حالانکہ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضور نبئ اکرمؐ کے والد حضورؐ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔

حدیث

مرزا صاحب نے اپنے دعوئے مہدیت کے ثبوت میں لکھا ہے،

بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی کہ ہذا خلیفۃ اللہ المہدی۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد از کتاب اللہ ہے۔

(شہادت القرآن، صفحہ ۴۱)

بخاری میں ایسی کوئی حدیث نہیں۔

قرآن

اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" یا "خدا نے کہا ہے" تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتا کہ قرآنِ مجید میں ایسا آیا ہے۔ کیونکہ ارشاداتِ خداوندی، قرآن کے سوا کہیں نہیں۔

"احمدی" (لاہوری) حضرات کے ترجمان "پیغامِ صلح" کی اشاعت بابت ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں "گناہ کی فلاسفی" کے عنوان سے مرزا صاحب کے متعلق کہا گیا کہ

> ایک شخص نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ دنیا میں لوگ بہت گنہگار ہوں گے مگر میرے جیسا گنہگار تو کوئی نہ ہوگا۔ میں نے بڑے بڑے سخت گناہ کئے ہیں میری بخشش کس طرح ہوگی؟ حضرت نے فرمایا۔
>
> دیکھو! خدا تعالیٰ جیسا غفور اور رحیم کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر یقین کامل رکھو کہ وہ تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر دنیا بھر میں کوئی گنہگار نہ رہے تو میں اور امت پیدا کردوں گا جو گناہ کرے اور میں اسے بخش دوں گا۔

قرآنِ کریم میں یہ کہیں نہیں آیا کہ خدا نے کہا ہے کہ "اگر دنیا بھر میں کوئی گنہگار نہ رہے تو میں ایک اور امت پیدا کروں گا جو گناہ کرے اور میں اسے بخش دوں گا"۔ البتہ ایک حدیث میں ایسا آیا ہے۔ مرزا صاحب حدیث کو قرآن کی آیت کہہ کر پیش کرتے ہیں۔ یہ ہے قرآنِ مجید کے متعلق ان کے مبلغ علم کی ایک مثال۔

انشا پردازی

ہم اس تکرار کے لئے معذرت خواہ ہیں کہ جن حضرات نے مرزا صاحب کی تحریرات کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ادبی نقطۂ نگاہ سے ان کی سطح کس قدر پست ہے۔ اس کی جزوی شہادت وہ اقتباسات بھی دے سکتے ہیں جو اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں۔ ہم اس امر کو اس قدر اہمیت نہ دیتے، اگر ہمارے سامنے مرزا صاحب کا یہ دعویٰ نہ ہوتا کہ

یہ بات بھی اس جگہ بیان کردینے کے لائق ہے کہ میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشا پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب میں عربی میں یا اُردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دیتا ہے۔

(نزول المسیح ص۵۶)

ہم (اربابِ ذوق سے بصد معذرت) مرزا صاحب کی "معجزانہ انشا پردازی" کی صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ (اپنے ایک دوست کے نام) ایک خط میں لکھتے ہیں:-

ایک انگریزی وضع کا پاخانہ جو ایک چوکی ہوتی ہے اور اس میں ایک برتن ہوتا ہے[1]، اس کی قیمت معلوم نہیں آپ ساتھ لادیں، قیمت یہاں سے دے دی جائے گی۔ مجھے دورانِ سر کی بہت شدت سے مرض ہوگئی ہے پیروں پر بوجھ دے کر پاخانہ پھرنے سے مجھے سر کو چکر آتا ہے۔

(مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد بنام حکیم محمد حسین قریشی صاحب قادیان ص۶)

واضح رہے کہ "احمدی" حضرات مرزا صاحب کو "سلطان القلم" کہتے ہیں

○

اضافہ

(طبع دوم)

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن اکتوبر ۱۹۷۴ء کے آخری ہفتہ میں شائع ہوا۔ للہ الحمد کہ اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور چند دنوں کے اندر ملک کے دُور دراز گوشوں تک پھیل گئی، اس اثنا میں قارئین کی طرف سے (تحسین و تبریک کے خطوط و پیغامات کے علاوہ) بہت سے مشورے، تجویزیں، مطالبے اور تقاضے موصول ہوئے۔ ان کی روشنی میں کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں مختصر سا اضافہ ضروری سمجھا گیا ہے جو درج ذیل ہے۔ مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ کتاب کے ہر نئے ایڈیشن میں شاید اسی قسم کے مزید اضافوں کی ضرورت لاحق ہو۔ سردست موجودہ اضافہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

○

---

[1] کموڈ سے مراد ہے۔

مرزا صاحب کی ذہنی کیفیت

حضرات انبیاء کرام نظام خداوندی کے پیغامبر ہوتے تھے اور ان کا مشن انسانی دنیا میں عظیم انقلاب برپا کرنا۔ اس کے لئے (علاوہ وحیِ آسمانی کے) عصری علوم و حقائق پر ان کی نگاہ بڑی وسیع اور غائر ہوتی تھی۔ اس کے بغیر وہ اپنے مشن کو سرانجام نہیں دے سکتے تھے۔ بنا بریں ان کی فکر بڑی بلند، بصیرت بڑی عمیق اور نگاہ بڑی تابناک ہوتی تھی۔ ان کے برعکس مرزا صاحب کی دماغی کیفیت کیا تھی اس کا اندازہ دو ایک مثالوں سے لگ سکتا ہے۔

(۱) اپنی صحت کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

میں ایک دائم المرض آدمی ہوں ..... ہمیشہ دردِ سر اور دورانِ سر اور کمیٔ خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے اور دوسری بیماری ذیابیطس ہے اور ایک مدت سے دامن گیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرتِ پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔ (ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴، صفحہ ۴)

(۲) اپنے حافظہ کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

میرا حافظہ بہت خراب ہے اگر کئی دفعہ کسی کی ملاقات ہو تب بھی بھول جاتا ہوں۔ یاد دہانی عمدہ طریقہ ہے۔ حافظہ کی یہ ابتری ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ (مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم، صفحہ ۲۱)

(۳) صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی اپنی کتاب "سیرت المہدی" حصہ اوّل صفحہ ۱۶۲ پر لکھتے ہیں۔

ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت صاحب کو ایک جیبی گھڑی تحفہ دی۔ حضرت صاحب اس کو رومال میں باندھ کر جیب میں رکھتے تھے۔ زنجیر نہیں لگاتے تھے اور جب وقت دیکھنا ہوتا تھا تو گھڑی نکال کر ایک کے ہندسے یعنی عدد سے گن کر وقت کا پتہ لگاتے تھے اور انگلی رکھ کر ہندسہ گنتے تھے اور منہ سے بھی گنتے جاتے تھے۔

(۴) جلال الدین شمس قادیانی اپنی کتاب "منکرینِ خلافت کا انجام" صفحہ ۹۶ پر لکھتے ہیں کہ:-

ایک دفعہ ایک شخص نے بوٹ تحفہ میں پیش کیا۔ آپ نے اس کی خاطر سے پہن لیا۔ مگر اس

کے دائیں بائیں کی شناخت نہ کر سکتے تھے، دایاں پاؤں بائیں طرف کے بوٹ میں اور بایاں پاؤں دائیں طرف کے بوٹ میں پہن لیتے تھے۔ آخر اس غلطی سے بچنے کے لئے ایک طرف کے بوٹ پر سیاہی سے نشان لگانا پڑا۔

اسی طرح صاحبزادہ بشیر احمد اپنی کتاب "سیرت المہدی" حصہ دوم ص۵۸ پر لکھتے ہیں کہ:-

بعض دفعہ جب حضور جراب پہنتے تو بے توجہی کے عالم میں اس کی ایڑی پاؤں کے تلے کی طرف نہیں بلکہ اوپر کی طرف ہو جاتی تھی اور بارہا ایک کاج کا بٹن دوسرے کاج میں لگا ہوتا تھا۔

(۵) معراج الدین عمر صاحب نے مرزا صاحب کے حالات مرتب کئے تھے۔ اس میں وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

آپ کو شیرینی سے بہت پیار ہے اور مرض بول بھی آپ کو عرصہ سے لگی ہوئی ہے۔ اس زمانے میں آپ مٹی کے ڈھیلے بعض وقت اپنی جیب میں رکھتے تھے اور اس جیب میں گڑ کے ڈھیلے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔　(تتمہ براہین احمدیہ جلد اول ص۶۷)

(۶) مرزا صاحب دوائیاں بھی وحی کی رو سے تیار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ میاں محمود احمد صاحب لکھتے ہیں:-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تریاق الٰہی دوا خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت بنائی اور اس کا ایک بڑا جزو افیون تھا۔　(بحوالہ اخبار الفضل قادیان مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۲۹ء)

افیون کے علاوہ "ٹانک وائن" بھی۔ چنانچہ مرزا صاحب حکیم محمد حسین قریشی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے۔ آپ اشیائے خریدنی خود خرید دیں اور ایک بوتل "ٹانک وائن" کی پلومر کی دکان سے خرید دیں۔ مگر "ٹانک وائن" چاہیئے اس کا لحاظ رہے۔

(خطوط امام بنام غلام ص۵)

الہامات

مرزا صاحب کے مزعومہ الہامات کی بعض مثالیں ہم پہلے لکھ چکے ہیں چند ایک اور ملاحظہ فرمایئے:-

(۱) دیکھا کہ میرے مقابل کسی آدمی نے یا چند آدمیوں نے پتنگ چڑھائی ہے اور وہ پتنگ ٹوٹ گئی اور میں نے اس کو زمین کی طرف گرتے دیکھا، پھر کسی نے کہا "غلام احمد کی جے۔"

(مجموعہ الہامات و مکاشفات ص۸)

(۲) مرزا صاحب اپنے دعویٰ مجددیت کی سند میں لکھتے ہیں:۔

جس نے دعویٰ کیا اس کا نام بھی یعنی "غلام احمد قادیانی" اپنے حروف کے اعداد سے اشارہ کر رہا ہے یعنی ۱۳۰۰ کا عدد جو اس نام سے نکلتا ہے وہ بتلا رہا ہے کہ تیرھویں صدی کے ختم ہونے پر یہی مجدد آیا جس کا نام تیرہ سو کا عدد پورا کرتا ہے۔ (تریاق القلوب ص۱۶)

ضمناً یہ پہلے لکھا جا چکا ہے مرزا صاحب کے نام کے متعلق "احمدی" حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان کا نام صرف "احمد" تھا (ملاحظہ ہو صفحہ ۸۷) غلام کا لفظ خاندانی رواج کے مطابق ساتھ لگا دیا تھا۔ یہاں آپ دیکھتے ہیں کہ خود مرزا صاحب اپنا نام "غلام احمد قادیانی" لکھتے ہیں جس کے عدد تیرہ سو بنتے ہیں اگر ان کا نام صرف "احمد" تھا تو پھر اس عددی دلیل کے متعلق کیا کہا جائے گا۔

(۳) مرزا صاحب نے اپنے ایک الہام میں کہا کہ:۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا "میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا جاگتا ہوں اور سوتا ہوں۔

(البشریٰ جلد دوم ص۷۹)

نماز روزہ کے علاوہ "میں سوتا ہوں" اس خدا کے متعلق کہا گیا ہے جس نے قرآن کریم میں اپنے متعلق کہا ہے کہ "لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ" (۲/۲۵۵) یعنی نیند تو ایک طرف اسے اونگھ تک بھی نہیں آتی۔

(۴) ایک الہام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب سے کہا۔

تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۸۶)

دوسرے الہام میں کہا۔

تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ تیرا ظہور میرا ظہور ہے۔

(مجموعہ الہامات و مکاشفات ص۶۵۰)

(۵) مرزا صاحب اپنے مکاشفات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

ایک فرشتہ کو میں نے بیس برس کے نوجوانوں کی شکل میں دیکھا۔ صورت اس کی مثل انگریزوں کے تھی اور میز کرسی لگائے ہوئے بیٹھا ہے میں نے اس سے کہا کہ آپ بہت ہی خوبصورت ہیں۔ اس نے کہا کہ ہاں میں درشنی آدمی ہوں۔ (مجموعہ الہامات و مکاشفات ص۳۱)

(۶) ایک الہام یہ بھی ہے۔

۳۲ ۔ [علامت] ۲۸ ۔ ۲۷ ۔ ۱۴ ۔ ۳ ۔ ۲۷ ۔ ۲ ۔ ۲۹ ۔ ۲ ۔ ۲۸ ۔ ۱ ۔ ۲۳ ۔ ۱۵ ۔ ۱۱

(البشریٰ جلد دوم ص۱۷)

آپ یہ نہ کہئے کہ یہاں کوئی طباعت کی غلطی ہے یا کچھ چھپنے سے رہ گیا ہے بالکل نہیں۔ الہام ہی ایسا ہے۔

(۷) مرزا صاحب اپنی کتاب "حقیقت المہدی" ص۱۰ پر لکھتے ہیں :۔

میں نے (ایک رؤیا میں) دیکھا کہ کسی نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ اگر تیرا خدا قادر خدا ہے تو اس سے درخواست کر کہ یہ پتھر جو تیرے سر پر ہے بھینس بن جائے۔ تب میں نے دیکھا کہ ایک وزنی پتھر میرے سر پر ہے جس کو کبھی میں پتھر اور کبھی لکڑی خیال کرتا ہوں۔ تب میں نے یہ معلوم کرتے ہی اس پتھر کو زمین پر پھینک دیا۔ پھر بعد اس کے میں نے جنابِ الٰہی میں دُعا کی کہ اس پتھر کو بھینس بنا دیا جائے اور میں اس دعا میں محو ہو گیا جب بعد اس کے میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ پتھر بھینس بن گیا۔"

(۸) مرزا صاحب کے مجموعۂ الہامات میں ایک الہام (رؤیا) یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

"ہم ایک جگہ جا رہے ہیں۔ ایک ہاتھی دیکھا اس سے بھاگے اور ایک اور کوچہ میں چلے گئے لوگ بھی بھاگے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ہاتھی کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کسی اور کوچہ میں چلا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک نہیں آیا۔ پھر نظارہ بدل گیا۔ گویا گھر میں بیٹھے ہیں۔ قلم پر میں نے دو نوک لگائے ہیں جو ولایت سے آئے ہیں پھر میں کہتا ہوں یہ بھی نامردی نکلا۔ اس کے بعد الہام ہوا "إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔" (مجموعہ الہامات و مکاشفات ص۲۲)

(۹) ایک مکاشفہ میں فرماتے ہیں۔

ایک روز کشفی حالت میں ایک بزرگ صاحب کی قبر پر دعا میں مانگ رہا تھا اور وہ بزرگ ہر ایک دُعا پر آمین کہتے جاتے تھے۔ اس وقت خیال ہوا کہ اپنی عمر بھی بڑھالوں۔ تب میں نے دُعا کی کہ میری عمر پندرہ سال اور بڑھ جائے۔ اس پر اس بزرگ نے آمین نہ کہی تب اس صاحب بزرگ سے بہت کشتم کشتا ہوا۔ تب اس مردے نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں آمین کہتا ہوں۔ اس پر میں نے اسے چھوڑ دیا اور دعا مانگی کہ میری عمر پندرہ سال اور بڑھ جائے تب

اس بزرگ نے آمین کہی :

مرزا صاحب کا یہ مکاشفہ اخبار "الحکم" بابت ۱۷ تا ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا تھا۔ پندرہ سال عمر بڑھ جانے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ ۱۹۱۸ء تک زندہ رہتے لیکن ان کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہو گئی (زبردستی آمین کہلوانے کا نتیجہ کچھ ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا)۔

عمر کے سلسلہ میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب "مواہب الرحمٰن" میں لکھا تھا کہ میرے مخالفین میری موت کی پیشگوئیاں کرتے ہیں۔

پس خدا مارا بشارت ہشتاد سال عمر داد. بلکہ شاید ازیں زیادہ (یعنی خدا نے بشارت دی کہ میری عمر اسی ۸۰ سال یا اس سے بھی زیادہ ہوگی)۔

لیکن مرزا صاحب کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہو گئی جس وقت ان کی عمر ان کے اپنے بیان کردہ سن پیدائش (۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء کے مطابق) اڑسٹھ یا انہتر سال کی تھی۔

(۱۱) خاکسار پیپرمنٹ

مرزا صاحب کے مجموعہ مکاشفات ص ۳۸ پر لکھا ہے۔

"حالتِ کشفی میں جب کہ حضور (مرزا صاحب) کی طبیعت ناساز تھی ایک شیشی دکھائی گئی جس پر لکھا ہوا تھا "خاکسار پیپرمنٹ"۔"

(۱۲) ٹیچی ٹیچی

مرزا صاحب اپنی کتاب "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۳۳۲ پر لکھتے ہیں۔

"پانچ مارچ ۱۹۰۵ء کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص جو فرشتہ معلوم ہوتا تھا میرے سامنے آیا اور اس نے بہت سا روپیہ میرے دامن میں ڈال دیا۔ میں نے اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا نام کچھ نہیں۔ میں نے کہا آخر کچھ تو نام ہوگا۔ اس نے کہا میرا نام ہے "ٹیچی ٹیچی"۔"

مرزا صاحب کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے خود کہا تھا کہ وہ مراق یا مالیخولیا کے مریض ہیں اور مالیخولیا کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اس میں "مریض صاحب علم ہو تو پیغمبری اور معجزات و کرامات کا دعوے کر دیتا ہے۔ خدا کی باتیں کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتا ہے" (اکسیر اعظم جلد اول ص ۱۸۸ مصنفہ حکیم محمد اعظم خاں (مرحوم) لیکن حیرت ہے ان کے متبعین پر جن میں اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگ بھی شامل ہیں اور

وہ مرزا صاحب کے اس قسم کے الہامات اور مکاشفات کو خدا کی طرف سے عطا کردہ وحی اور علمِ غیب مانتے ہیں۔ سچ کہا ہے قرآن نے کہ "اندھی عقیدت سے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں اور آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں!"

پیش گوئیاں

پیش گوئیوں کے متعلق اصولی بحث اس سے پہلے کی جا چکی ہے اور جہاں میں نے لکھا ہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف اس کے رسولوں کو ملتا تھا۔ لہٰذا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے خدا کی طرف سے غیب کا علم حاصل ہوتا ہے وہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ خود مرزا صاحب نے بھی کہا ہے کہ میں وہی آنے والا ہوں جس کے متعلق احادیثِ نبویہ میں کہا گیا ہے کہ:۔

> "اس کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ کا شرف اس کو حاصل ہوگا اور اس کثرت سے امورِ غیبیہ اس پر ظاہر ہوں گے کہ بجز نبی کے کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسول" یعنی خدا اپنے غیب پر کسی کو پوری قوت اور غلبہ نہیں بخشتا جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہو سکتا ہے بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو۔ اور یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امورِ غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔" (حقیقۃ الوحی ص ۳۹۰)

ضمناً اس سے یہ بھی واضح ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبی اور رسول دونوں کا تھا "احمدی" حضرات کی طرف سے جو کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبی ہونے کا تھا رسول کا نہیں، تو یہ خود مرزا صاحب کے بیانات کے خلاف ہے اور کھلی ہوئی مغالطہ آفرینی اور فریب دہی۔ وہ اپنے معجزات اور پیش گوئیوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ

> "اس جگہ اکثر گذشتہ نبیوں کی نسبت بہت زیادہ معجزات اور پیش گوئیاں موجود ہیں بلکہ بعض گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور پیش گوئیوں کو ان معجزات اور پیش گوئیوں سے کچھ نسبت ہی نہیں۔" (نزول المسیح، صفحہ ۸۱، ۸۲)

مرزا صاحب کے ان دعاوی کے بعد ان کی چند ایک پیش گوئیاں اور ان کا نتیجہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ طاعون کی وبا

"حمامۃ البشریٰ میں جو کئی سال طاعون پیدا ہونے سے پہلے شائع کی تھی میں نے یہ لکھا تھا کہ میں نے طاعون پھیلنے کے لئے دعا کی ہے تو وہ دعا قبول ہو کر ملک میں طاعون پھیل گئی"۔
(حقیقۃ الوحی ص ۲۲۴)

مرزا صاحب نے اپنی پیش گوئی میں یہ بھی کہا تھا کہ یہ وبا ان کے منکرین پر آئے گی ان کے متبعین پر نہیں لیکن جب طاعون نے ان کے متبعین کو بھی نہ چھوڑا اور اس پر مخالفین نے اعتراض کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ:

"ہماری جماعت میں سے بعض لوگوں کا طاعون سے فوت ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ لڑائیوں میں شہید ہوتے تھے"۔ (تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۳۱)

اور اس کے بعد یہ بھی کہا۔

"اگر خدانخواستہ کوئی شخص ہماری جماعت سے اس مرض سے وفات پا جائے تو گو وہ ذلت کی موت ہوئی لیکن ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے خود اشتہار دے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہماری جماعت سے وعدہ ہے کہ وہ متقی کو اس سے بچائے گا"۔
(ملفوظات احمدیہ حصہ ہفتم ص ۴۹۲)

"اگر ہماری جماعت کا کوئی شخص طاعون سے مرتا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فی الحقیقت جماعت سے الگ تھا"۔ (ملفوظات حصہ ششم ص ۳۵۸)

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ جو لوگ فی الحقیقت ان کی جماعت میں داخل ہیں اور متقی ہیں وہ اس عذاب سے محفوظ رہیں گے اس سلسلہ میں انہوں نے خود اپنے گھر کے متعلق کہا کہ:۔

"اللہ جل شانہ نے ان لوگوں کے لئے جو اس گھر کی چار دیواری کے اندر ہوں گے حفاظت خاص کا وعدہ فرمایا ہے"۔ (کشتیٔ نوح ص ۷۶)

لیکن خدا کے اس وعدے اور یقین دہانی کے باوجود مرزا صاحب کی کیفیت یہ تھی کہ وہ

"فینائل لوٹے میں حل کر کے خود اپنے ہاتھ سے گھر کے پاخانوں اور نالیوں میں جا کر ڈالتے تھے۔ بعض اوقات گھر میں ایندھن کا بڑا ڈھیر لگوا کر آگ بھی جلوایا کرتے تھے تاکہ ضرر رساں جراثیم

مر جاویں آپ نے ایک بہت بڑی انگیٹھی بھی منگوائی ہوئی تھی جس میں کوئلہ ڈال کر اور گندھک وغیرہ رکھ کر کمروں کے اندر جلایا جاتا تھا" (سیرت المہدی حصہ دوم ص۵۹)

علاوہ ازیں مرزا صاحب اس وبا سے بچنے کے لئے قصبہ سے باہر باغ میں چلے گئے تھے انہوں نے طاعون کے علاوہ زلزلہ کی بھی پیشگوئی کی تھی اور باغ میں منتقل ہو جانے کی دوسری وجہ زلزلہ سے بچنے کی حفاظتی تدبیر بھی تھی یعنی خود ہی دعائیں مانگ مانگ کر ان تباہیوں کو بلاتے تھے اور پھر ان سے بچنے کے لئے اس قسم کی تدابیر بھی اختیار کرتے تھے۔ یہ اُسی قسم کی تدبیریں تھیں جنہیں ایک کافر بھی اختیار کرلے تو اسی قسم کے نتائج مرتب ہو جائیں۔

جب ان کی جماعت کے لوگ طاعون سے مرنے لگے تو انہوں نے لکھا کہ

"میں کہتا ہوں اور بڑے دعویٰ اور زور سے کہتا ہوں کہ اگر ایک شخص ہماری جماعت میں سے طاعون سے مرتا ہے تو بجائے اس کے سو آدمی یا زیادہ ہماری جماعت میں داخل ہوتا ہے اور یہ طاعون ہماری جماعت کو بڑھاتی جاتی ہے...... پس ہمارے لئے طاعون رحمت ہے اور مخالفوں کے لئے زحمت اور عذاب ہے اور اگر دس پندرہ سال تک ملک میں ایسی ہی طاعون رہی تو میں یقین رکھتا ہوں کہ تمام ملک احمدی جماعت سے بھر جائے گا...... پس مبارک ہے وہ خدا جس نے دنیا میں طاعون کو بھیجا تاکہ اس کے ذریعہ سے ہم بڑھیں اور پھولیں اور ہمارے دشمن نیست و نابود ہوں" (تتمہ حقیقت الوحی حاشیہ ص۱۳۱)

لوگوں کی موت کی پیش گوئیاں

پیش گوئیوں کے سلسلے میں مرزا صاحب نے خود کہا تھا کہ وہ ان کے دعاوی کے سچا اور جھوٹا ہونے کی محک (کسوٹی) ہیں اور بات ہے بھی ٹھیک جس شخص کا دعویٰ ہو کہ یہ غیب کی خبر مجھے خدا نے دی ہے وہ بات اگر جھوٹی نکلے تو اس کا یہ دعویٰ خود بخود جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔ اس اصول کے مطابق ہم مرزا صاحب کی پیش گوئیوں میں سے دو تین کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ عبداللہ آتھم ایک عیسائی (پادری) تھا جو مرزا صاحب کے ساتھ اکثر مناظرے کیا کرتا تھا۔ اس کے متعلق مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ وہ ایک مقررہ تاریخ (۵ ستمبر ۱۸۹۴ء) کو مرجائے گا۔ دوسرے لوگوں کو

اس پیش گوئی پر یقین ہو یا نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ خود پیش گوئی کرنے والے (یعنی مرزا صاحب) کو تو اس پر ایمان ہونا چاہیئے تھا کہ کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے ایسا ہو کر رہے گا لیکن مرزا صاحب کی کیفیت کیا تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے جسے صاحبزادہ بشیر احمد نے اپنی کتاب "سیرت المہدی" حصہ اول کے صفحہ ۱۵۹ پر لکھا ہے اسے غور سے پڑھیئے۔ انہوں نے لکھا ہے:

بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھ سے اور میاں حامد علی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ اتنے چنے (مجھے تعداد یاد نہیں رہی کہ کتنے چنے آپ نے فرمائے تھے) لے لو اور ان پر فلاں سورت کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو (مجھے وظیفہ کی تعداد بھی یاد نہیں رہی) میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے سورت یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سی سورت تھی جیسے الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل ہے ہم نے یہ وظیفہ قریباً ساری رات صرف کر کے ختم کیا تھا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وظیفہ ختم ہونے پر یہ دانے میرے پاس لے آنا۔ اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے اور فرمایا یہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں تو تم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہیئے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کنوئیں میں ان دانوں کو پھینک دیا اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ جلدی جلدی واپس لوٹ آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہیں دیکھا۔"

آپ نے غور فرمایا کہ اپنے آپ کو خدا کا رسول کہنے والا' خدا کی طرف سے دی گئی پیش گوئی کے پورا کرنے کے لئے کیا کیا جتن کر رہا ہے؟ لیکن افسوس کہ یہ پیش گوئی اس پر بھی پوری نہ ہوئی اور عبداللہ آتھم بدستور زندہ رہا۔ اس کی شہادت خود مرزا صاحب کے متبع ماسٹر قادر بخش نے ان الفاظ میں دی۔

"میں نے امرتسر جا کر عبداللہ آتھم کو خود دیکھا۔ عیسائی اسے گاڑی میں بٹھائے بڑی دھوم دھام سے بازاروں میں لئے پھرتے ہیں۔"　(اخبار "الحکم" قادیان مورخہ ستمبر ۱۹۲۳ء)

۲۔ مولوی ثناء اللہ مرحوم عمر بھر مرزا صاحب کے ساتھ مناظرے کرتے رہے۔ وہ "فاتح قادیان" کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کے متعلق مرزا صاحب نے اپنے اشتہار مورخہ ۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو مخاطب کرنے کے لئے لکھا۔

"اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچے میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کہ جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی ہی میں ناکام ہلاک ہو جاتا ہے...... (اس کے برعکس) وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔"

اس کے بعد ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو اخبار "بدر" قادیان میں مرزا صاحب کی ڈائری کے الفاظ شائع ہوئے کہ:-

"ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔"

اس کے بعد ہوا یہ کہ مرزا صاحب کا مئی ۱۹۰۸ء میں انتقال ہو گیا اور مولوی ثناء اللہ تشکیل پاکستان کے بعد تک بخیر و خوبی زندہ و سلامت رہے (ان کی وفات غالباً ۱۹۴۸ء میں ہوئی تھی)۔

۳۔ مرزا صاحب کے شدید ترین مخالفین میں پٹیالہ کے ایک ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ مرزا صاحب ان کی زندگی میں ۴۔ اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا کہ:-

"ڈاکٹر عبدالحکیم خان کا دعویٰ ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہی ۴۔ اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جاؤں گا..... مگر خدا نے اس کی پیشگوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی ہے کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔"

(چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۱، ۳۲۲)

مرزا صاحب ۴۔ اگست ۱۹۰۸ء سے پہلے یعنی ۲۶۔ مئی ۱۹۰۸ء کو وفات پا گئے اور ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اس کے بعد بھی زندہ رہے۔

محمدی بیگم کا قصہ

۴۔ مرزا صاحب کی زندگی میں سب سے اہم واقعہ جس نے عالمگیر شہرت اختیار کرلی تھی، محمدی بیگم نامی ایک خاتون (نوعمر لڑکی)[1] کے ساتھ ان کے نکاح ہوجانے کی پیش گوئی تھی۔ اس واقعہ کو سمجھنے کے لئے چند افراد کے باہمی رشتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

محمدی بیگم مرزا احمد بیگ کی لڑکی تھیں جو مرزا صاحب قادیانی کے ماموں زاد بھائی تھے اور لڑکی کی والدہ مرزا صاحب کی چچازاد ہمشیرہ۔

مرزا احمد بیگ کی ہمشیرہ کی لڑکی (جس کا نام عزت بی بی تھا) مرزا صاحب کی پہلی بیوی کے بیٹے فضل احمد کی بیوی تھی۔ اس لڑکی کے والد کا نام مرزا علی شیر بیگ تھا۔

مرزا غلام احمد صاحب نے ایک دفعہ اعلان کیا کہ

> "خدا تعالیٰ نے پیش گوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ کی دختر کلاں (محمدی بیگم) انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے۔ اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا۔ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کرکے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھادے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (ازالہ اوہام ص ۳۹۶)

لڑکی کے والد نے مرزا صاحب کی اس درخواست کو مسترد کردیا۔ اس کے قریب دو سال بعد ایک ایسی بات سامنے آئی جس سے مرزا صاحب نے اپنی اس تجویز کو اور زور سے پیش کیا۔ اس کی تفصیل خود مرزا صاحب کی زبانی سنیئے۔ انہوں نے اپنے اشتہار مورخہ ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء میں لکھا۔

"(محمدی بیگم کے اعزہ) مجھ سے کوئی نشان مانگتے تھے۔ اس وجہ سے کئی مرتبہ دعا کی گئی۔ سو وہ

---

[1] طلوع اسلام بابت جولائی ۱۹۵۴ء میں ایک صاحب کا نام (م۔ج۔خ کے مخفف نام سے) ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس میں لکھا تھا کہ محمدی بیگم اس وقت قریب گیارہ سال کی تھی۔

دعا قبول ہو کر خدائے تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی کہ اس لڑکی کا والد ایک ضروری کام کے لئے ہماری طرف ملتجی ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبردہ (مرزا احمد بیگ) کی ایک ہمشیرہ ہمارے چچازاد بھائی غلام حسین نامی کو بیاہی گئی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا اور مفقودالخبر ہے۔ اس کی زمین جس کا حق ہمیں بھی پہنچتا ہے، نامبردہ (احمد بیگ) کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی۔ اب..... مرزا احمد بیگ نے چاہا کہ وہ زمین..... اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے وہ ہبہ نامہ لکھا گیا۔ چونکہ وہ ہبہ نامہ بجز ہماری رضامندی کے بیکار تھا۔ اس لئے مکتوب الیہ (احمد بیگ) نے بہ تمام عجز و انکسار ہماری طرف رجوع کیا تاکہ ہم راضی ہو کر اس ہبہ نامہ پر دستخط کردیں اور قریب تھا کہ ہم دستخط کردیتے لیکن یہ خیال آیا کہ جیسا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے، جناب الٰہی میں استخارہ کرلینا چاہیئے سو یہی جواب مکتوب الیہ (احمد بیگ) کو دیا گیا۔ پھر احمد بیگ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آ پہنچا جس کو خدائے تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کردیا۔

اس خدائے مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (مرزا احمد بیگ) کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا..... لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی اس دختر کا والد تین سال تک فوت ہو جائے گا۔

لیکن مرزا احمد بیگ اس پر بھی نکاح کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ اور اپنی لڑکی کی نسبت ایک اور جگہ کردی اور نکاح کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ اس پر مرزا صاحب نے ۲؍مئی ۱۸۹۱ء کو اپنی بہو (فضل احمد کی بیوی) کے والد مرزا علی شیر بیگ کو ایک خط لکھا کہ:۔

میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے اور آپ کے گھر کے لوگ اس مشورہ میں ساتھ ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے

سخت دشمن بلکہ میرے کیا دین اسلام کے سخت دشمن ہیں عیسائیوں کو ہنسانا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اللہ اور رسول کے دین کی کچھ بھی پرواہ نہیں رکھتے...... کیا میں چوہڑا یا چمار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عار یا ننگ تھی (میں نے آپ کی بیوی یعنی مرزا احمد بیگ کی بہن کو خط لکھ دیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اس نکاح سے روک دیں) ورنہ میرا بیٹا فضل احمد آپ کی لڑکی اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکے گا. ایک طرف جب محمدی بیگم کا کسی شخص سے نکاح ہوگا تو دوسری طرف سے فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دے دے گا. اگر نہیں دے گا تو میں اس کو عاق اور لاوارث کر دوں گا"

یعنی اپنے بیٹے کی ساس کو لکھا جا رہا ہے کہ اگر تمہارا بھائی اپنی لڑکی کا رشتہ مجھ سے نہیں کرے گا تو یہاں تمہاری بیٹی کو طلاق مل جائے گی!!

مرزا صاحب کے دوسرے بیٹے سلطان احمد (جو اس زمانے میں نائب تحصیلدار تھے) بھی اس نکاح کے مخالف تھے. مرزا صاحب نے اپنے اشتہار مورخہ ۲ مئی ۱۸۹۱ء میں لکھا کہ اگر سلطان احمد نے بھی انہیں اس بات سے نہ روکا تو

"اس نکاح کے دن سے سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہوگا. اور اسی روز سے اس کی والدہ پر میری طرف سے طلاق ہوگی"

لیکن اس کے باوجود انہوں نے محمدی بیگم کی شادی سلطان محمد نامی ایک صاحب کے ساتھ کر دی. مرزا سلطان احمد نے تو باپ کی بات نہ مانی لیکن ان کے دوسرے بیٹے فضل احمد نے اپنی بیوی کا طلاق نامہ لکھ کر باپ کے پاس بھیج دیا.[1] اس کے بعد مرزا صاحب نے کہا کہ "اگرچہ وہ لڑکی سلطان محمد سے بیاہی گئی لیکن وہ میرے نکاح میں ضرور آئے گی. یہ خدا کی باتیں ہیں. ٹلتی نہیں. ہو کر رہیں گی"

(اخبار الحکم قادیان مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء)

بلکہ انہوں نے یہاں تک بھی کہا تھا۔ خدا نے مجھ سے کہا ہے کہ:۔

"ہم نے خود اس لڑکی سے عقد نکاح باندھ دیا ہے. میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا"

(الہام مرزا صاحب مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۹۱ء)

---

[1] اس کے باوجود مرزا صاحب نے اپنے اس بیٹے کا جنازہ نہیں پڑھا تھا کیونکہ وہ غیر احمدی تھا. تفصیل پہلے گزر چکی ہے.

اس لڑکی کے خاوند کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا کہ :۔

"میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے اس کی انتظار کرو۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی" (انجام آتھم ص ۳۱)

لیکن ہوا یہ کہ محمدی بیگم بدستور سلطان محمد کے نکاح میں رہیں۔ زندہ اور سلامت۔ اور مرزا صاحب کا مئی ۱۹۰۸ء میں انتقال ہو گیا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ اگر اس لڑکی کا نکاح ان سے نہ کیا گیا تو ان کا بیٹا فضل احمد اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا، اور خود مرزا صاحب اپنی بیوی یعنی فضل احمد اور سلطان احمد کی والدہ کو بھی طلاق دے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اس بیوی کو بھی طلاق دے دی۔ سیرت المہدیؑ کے مصنف صاحبزادہ بشیر احمد نے لکھا ہے :۔

"حضرت صاحب کا یہ طلاق دینا آپ کے اس اشتہار کے مطابق تھا جو آپ نے ۲ مئی ۱۸۹۱ء کو شائع کیا تھا" (سیرت المہدی حصہ اول ص ۲۶)

یہ تھا محمدی بیگم کے نکاح کا وہ واقعہ جس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ ہم اپنی طرف سے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ یہ واقعہ اپنا تبصرہ خود آپ ہے۔

یہ ہیں مرزا صاحب کی پیش گوئیوں کی چند ایک مثالیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کس قدر جھوٹی ثابت ہوئیں۔ ان کی جرات اور حق گوئی کی کیفیت یہ تھی کہ جب ان کے مخالفین نے ان پیش گوئیوں کی بنا پر ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت مقدمہ دائر کر دیا تو انہوں نے معافی مانگ لی اور عدالت میں اقرار نامہ داخل کر دیا کہ میں آئندہ نہ خدا سے اس قسم کی دعا کیا کروں گا اور نہ ہی ایسی پیش گوئیاں شائع کروں گا (تفصیل اس کی آپ کو ذرا آگے چل کر "مقام نبوت" کے عنوان میں ملے گی)۔

بدکلامی

مرزا صاحب کی پیش گوئیاں ایسی نہیں ہوتی تھیں بلکہ وہ اپنے مخالفین کے خلاف جس قسم کی بدزبانی

سے کام لیا کرتے تھے وہ بھی کچھ کم قابلِ اعتراض نہیں ہوتی تھی مثلاً وہ انہیں "ذُرِّیَۃُ الْبَغَایَہ" یعنی بدکار عورتوں کی اولاد کہا کرتے تھے۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۴۷)۔ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں"۔
(نجم الہدیٰ صفحہ ۱۰)

وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"اب جو شخص اس صاف فیصلہ کے خلاف شرارت اور عناد کی راہ سے بکواس کرے گا اور اپنی شرارت سے بار بار کہے گا کہ عیسائیوں کی فتح ہوئی اور کچھ شرم وحیا کو کام میں نہیں لائے گا ..... اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو "وَلَدُ الْحَرَام" بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں ہے"۔　　(انوار الاسلام ص۳۰)

ضمناً اپنے والد ماجد کے تتبع میں میاں محمود صاحب بھی اسی قسم کی زبان استعمال کیا کرتے تھے مثلاً انہوں نے ۱۹۳۲ء کے سالانہ جلسہ کی افتتاحی تقریر میں فرمایا تھا کہ جو لوگ ہماری جماعت سے علیحدہ رہیں گے......

"ان کی آواز ایسی ہی غیر مؤثر اور نا قابلِ التفات ہوگی جیسی کہ موجودہ زمانے میں چوہڑے چماروں کی ہے"۔　　(اخبار الفضل، قادیان، مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۳۳ء)

مرزا صاحب تحریف بھی کرتے تھے

مرزا صاحب نے اپنی کتاب حقیقت الوحی (صفحہ ۳۹۰ پر) لکھا کہ :-

"مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس اُمّت کے بعض افراد مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور قیامت تک مخصوص رہیں گے لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت اُمورِ غیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں، وہ نبی کہلاتا ہے"۔

جناب مجدد سرہندیؒ کے مکتوبات میں نبی کا لفظ نہیں آیا۔ محدّث کا لفظ آیا ہے۔ جب یہ اعتراض کیا گیا

کہ مرزا صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں مجدد سرہندیؒ کے مکتوبات میں تحریف کر کے محدّث کی جگہ نبی کا لفظ لکھ دیا ہے تو اس کے جواب میں ان کے متبع نے فرمایا کہ :۔

"مجدد صاحب سرہندیؒ نے تو محدّث ہی لکھا ہے مگر حضرت مسیح موعود نے خدا سے علم پاکر محدّث کے بجائے نبی لکھ دیا ہے اور یوں مکتوبات کی غلطی کو درست کر دیا ہے"۔

(پیغامِ صلح' لاہور' مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۳۶ء)

نبی بھی اور رسول بھی

ہم نے گزشتہ صفحات میں یہ لکھا ہے کہ "احمدی" حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو نبی کہا تھا۔ رسول نہیں کہا تھا۔ ہم نے متعدد حوالہ جات سے یہ واضح کیا کہ انہوں نے اپنے آپ کو نبی بھی کہا تھا اور رسول بھی۔ اس سلسلہ میں دو ایک حوالے اور بھی ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ مرزا صاحب نے اپنے اشتہار ایک غلطی کا ازالہ (صفحہ ۲) میں لکھا ہے کہ ان کے کسی مخالف نے یہ اعتراض کیا کہ مرزا صاحب نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو مرزا صاحب کے ایک متبع نے اس سے انکار کیا۔ اس پر مرزا صاحب نے لکھا کہ ان کے اس متبع کا جواب صحیح نہیں۔

حق یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔ نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہو سکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

۲۔ قرآنِ کریم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے کہ "هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" (۹/۳۳) مرزا صاحب نے کہا کہ اس آیت میں :۔

"صاف طور پر اس عاجز کو رسول کہہ کر پکارا گیا"۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

۳۔ قرآنِ کریم میں ایک اور آیت ہے۔ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ" (۴۸/۲۹) اس آیت کو درج کرنے کے بعد مرزا صاحب نے کہا کہ :۔

"اس وحی اللہ میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی"۔ (ایک غلطی کا ازالہ)
قرآن کریم کی ایک اور آیت ہے۔ " قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا "
(۷/۱۵۸) اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ اے نوعِ انسان میں تم تمام کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مرزا صاحب نے یہ آیت لکھ کر اس کے نیچے لکھا۔
"کہہ (اے غلام احمد) اے تمام لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو کر آیا"۔
(البشریٰ جلد دوم ص۵۶)

آخری نبی

ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ "احمدی" حضرات رسول اللہ کے بعد مرزا غلام احمد کا نام بھی صفِ انبیاء میں رکھتے ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے مارچ ۱۹۳۳ء میں ایک ٹریکٹ شائع کیا تھا جس میں یہ فہرست یوں دی گئی۔

خدا کے راست باز نبی، رام چندر پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز نبی، کرشن پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز نبی، بدھ پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز نبی، زرتشت پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز نبی، کنفیوشش پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز نبی، ابراہیمؑ پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز نبی، موسیٰؑ پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز نبی، مسیحؑ پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز نبی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز نبی، "احمد" پر سلامتی ہو۔
خدا کے راست باز بندہ، بابا نانک پر سلامتی ہو۔

(پیغام صلح لاہور، مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۳ء)

آپ نے غور فرمایا کہ (قرآنی) انبیاء کی فہرست میں آخری نام "احمد" یعنی (مرزا غلام احمد کا) لکھا گیا ہے۔ ان کے بعد بابا نانک کا نام ہے جنہیں نبی نہیں بلکہ بندہ لکھا گیا ہے۔

ضمناً (جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۸۴ پر لکھا گیا ہے) میاں محمود احمد صاحب سکھوں کو بھی اہلِ کتاب میں شامل کرتے تھے اور اس لئے ان کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کی (اور ہندوؤں اور غیر احمدیوں کی) لڑکیاں لے لینی چاہئیں لیکن انہیں لڑکی دینی نہیں چاہیئے۔ اگر سکھ اہلِ کتاب میں شامل ہیں تو پھر مرزا محمود صاحب کے نزدیک بابا نانک کو نبی تسلیم کیا جائے گا لیکن چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے انہیں زمرۂ انبیاء میں شامل نہیں کیا۔ خدا کا آخری نبی مرزا غلام احمد کو بتایا ہے۔

البتہ میاں محمود صاحب نے خود اپنے آپ کو زمرۂ انبیاء اور رسل میں شامل کر لیا ہے چنانچہ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ:۔

"جس طرح مسیح موعود کا انکار تمام انبیاء کا انکار ہے، اسی طرح میرا انکار انبیائے بنی اسرائیل کا انکار ہے جنہوں نے میری خبر دی۔ میرا انکار شاہ نعمت اللہ ولی کا انکار ہے جنہوں نے میری خبر دی۔ میرا انکار مسیح موعود کا انکار ہے جنہوں نے میرا نام محمود رکھا اور مجھے بیٹا ٹھہرا کر میری تعیین کی۔" (اخبار الفضل قادیان مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۷ء)

اگر حکومت ہمارے پاس ہوتی تو.....

آپ اس کتاب کے آخری باب میں دیکھیں گے "حکومتِ پاکستان نے "احمدیوں" کو غیر مسلم قرار دے دیا ہے" اس پر شور مچایا گیا کہ کفر اور اسلام کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کسی حکومت کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرے۔ دین میں اکراہ نہیں۔

ہم نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ فیصلہ نہ دین میں اکراہ ہے نہ اس سے "احمدیوں" پر کسی قسم کی زیادتی کی گئی ہے۔ اس کے برعکس آپ دیکھئے کہ خود "احمدی" حضرات کے مذہب کے معاملہ میں کیا خیالات ہیں۔ مرزا محمود احمد صاحب نے اپنی ایک تقریر میں (جو اخبار الفضل کی ۲۔ جون ۱۹۳۶ء کی اشاعت میں شائع ہوئی تھی) فرمایا تھا کہ:۔

حکومت ہمارے پاس نہیں کہ ہم جبر کے ساتھ ان لوگوں کی اصلاح کریں اور ہٹلر یا مسولینی

کی طرح جو شخص ہمارے حکموں کی تعمیل نہ کرے اسے ملک سے نکال دیں اور جو ہماری باتیں سننے اور ان پر عمل کرنے پر تیار نہ ہو اسے عبرتناک سزا دیں۔ اگر حکومت ہمارے پاس ہوتی تو ہم ایک دن کے اندر اندر یہ کام کر لیتے۔

اگر اپنی حکومت نہ ہو تو......

اگر اپنی حکومت نہ ہو تو بھی مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے (غیر مسلموں کے ساتھ نہیں مسلمانوں کے ساتھ) چنانچہ میاں محمود احمد نے ۱۹۳۴ء میں اپنے ایک خطبہ میں کہا تھا:

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عام مومن دو مخالفوں پر بھاری ہوتا ہے اور اگر اس سے بھی ترقی کرے تو صحابہؓ کے طرزِ عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک نے ہزار کا مقابلہ کیا ہے۔ ہماری جماعت مردم شماری کی رُو سے پنجاب میں چھپن ہزار ہے۔ گو یہ بالکل غلط ہے صرف اسی ضلع گورداسپور میں تیس ہزار احمدی ہیں۔ مگر فرض کر لو۔ یہ تعداد درست ہے اور فرض کر لو کہ باقی تمام ہندوستان میں ہماری جماعت کے بیس ہزار افراد رہتے ہیں تب بھی یہ ۷۵، ۷۶ ہزار آدمی بن جاتے ہیں۔ اور اگر ایک احمدی سو کے مقابلہ میں رکھا جائے تو ہم ۷، ۸ لاکھ کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر ایک ہزار کے مقابل پر ہمارا ایک آدمی ہو تو ہم ساڑھے سات کروڑ کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اتنی ہی تعداد دنیا کے تمام مسلمانوں کی ہے؛ پس سارے مسلمان مل کر بھی جسمانی طور پر ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم ان پر بھاری ہیں۔ پھر آجکل تو جسمانی مقابلہ ہے ہی نہیں۔ اس لئے اس لحاظ سے بھی ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

(الفضل ۲۱۔ جون ۱۹۳۴ء)

یہاں دو مین باتیں قابلِ غور ہیں۔ قرآنِ کریم کا جو حوالہ اوپر دیا گیا ہے (۶۵/۸) وہاں جماعت مومنین کی کفار کے ساتھ جنگ کا ذکر ہے اس اعتبار سے میاں محمود صاحب اپنی جماعت کو مومنین کہتے ہیں اور مسلمانوں کو کفار کی جماعت اور یہی ان کے نزدیک مسلمانوں کی پوزیشن ہے۔ دوسرے یہ کہ ان حضرات کے عقیدہ کی رُو سے مسلمانوں کا انگریزوں کے خلاف جہاد تو حرام ہے لیکن یہ خود اپنی جماعت کو مسلمانوں کے خلاف جہاد (قتال بالسیف) کی تلقین کرتے ہیں۔

اور تیسرے یہ کہ ان کے مبلغ علم کی کیفیت یہ ہے کہ یہ (سنہ ۱۹۲۴ء میں) تمام دنیا کے مسلمانوں کی آبادی ساڑھے سات کروڑ بتاتے ہیں!

اقتباس کے آخر میں کہا گیا ہے کہ "پھر آجکل تو جسمانی مقابلہ ہے ہی نہیں" اس کا مطلب یہی ہے کہ آجکل جنگ کا دارومدار افراد کی تعداد پر نہیں، اسلحہ پر ہے۔ اس سلسلہ میں الفضل بابت ۲ مئی سنہ ۱۹۲۵ء کا حسبِ ذیل بیان قابلِ غور ہے۔

> حضور (یعنی میاں محمود صاحب) نے فرمایا کہ جو اصحاب بندوق کا لائسنس رکھ سکتے ہیں وہ بندوق کا لائسنس حاصل کریں اور جہاں جہاں تلوار رکھنے کی اجازت ہے وہاں تلوار رکھیں لیکن جہاں اس کی ضرورت نہ ہو، وہاں لاٹھی ضرور رکھیں۔

"احمدی" جماعت

یہ تھا وہ اضافہ جسے قارئین کے تقاضوں اور مطالبوں کے پیشِ نظر ضروری سمجھا گیا۔ اب کتاب کے تسلسل کے اعتبار سے اگلے باب کی طرف آجائیے۔ اس باب میں ہم نے بتایا ہے کہ مرزا صاحب نے ایک نئی اُمت کی تشکیل کی اور اسے مسلمانوں سے الگ قرار دیا۔ ہم نے اس سے پہلے (صفحہ ۸۶ پر) لکھا ہے کہ اس جماعت کا نام (احمدی جماعت) خود مرزا صاحب کے نام پر رکھا گیا تھا۔ "احمدی" حضرات جو کہتے ہیں کہ یہ نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر رکھا گیا تھا، یہ ان کی مغالطہ آفرینی اور فریب دہی ہے۔ اس سلسلہ میں صاحبزادہ بشیر احمد نے اپنے مقالہ "کلمتہ الفصل" میں لکھا تھا:

> "ان تمام الہامات میں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) کو احمد کے نام سے پکارا ہے دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) بیعت لیتے وقت یہ اقرار لیا کرتے تھے کہ آج میں احمد کے ہاتھ پر اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ آپ نے اپنی جماعت کا نام بھی "احمدی" جماعت رکھا بس یہ بات یقینی ہے کہ آپ احمد تھے۔" (ریویو آف ریلیجنز قادیان نمبر ۳ جلد ۱۴ صفحہ ۱۳۹ - ۱۴۱)

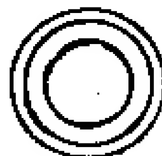

پانچواں باب

ایک نئی اُمّت

ہم مرزا صاحب کے دعاوی کے طول طویل اور پُرپیچ وخم راستوں سے گذر کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ انہوں نے اپنے دعاوی کی ابتدا ر کشف و الہام سے کی۔ اگرچہ اس کے لئے قرآن سے کوئی سند نہیں ملتی لیکن چونکہ یہ چیز تصوف میں چلی آرہی تھی، اس لئے قوم نے اس کے خلاف کوئی اعتراض نہ کیا اور عیسائیوں اور آریوں کے خلاف مباحثوں اور مناظروں کے سلسلہ میں مرزا صاحب کی خدمات کو سراہا۔ اس کے بعد انہوں نے ظل و بروز، حلول و بعث ثانی بلکہ عین محمد ہونے تک کا دعویٰ کر دیا۔ یہ دعاوی قابلِ مواخذہ ہو سکتے تھے لیکن بعض غالی صوفیاء کے ہاں اس قسم کی شطحیات بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ہفوات پائی جاتی ہیں، اس لئے مرزا صاحب کے ان دعاوی کے خلاف بھی کوئی شور نہ مچا۔ وہ آگے بڑھے اور نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ یہاں پر ایک نازک مقام سامنے آتا ہے جس کا اچھی طرح سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔

ایک نئی اُمت

اس حقیقت کو یوں سمجھئے کہ (مثلاً) ایک شخص حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کے تمام انبیاء بنی اسرائیل پر ایمان رکھتا ہے لیکن حضرت عیسیٰؑ کو نبی تسلیم نہیں کرتا، وہ یہودی کہلائے گا عیسائی نہیں کہلائے گا۔ لیکن جونہی وہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت پر ایمان لے آئے وہ امتِ حضرت عیسیٰؑ کا فرد بن جائے گا اور عیسائی کہلائے گا۔ لیکن یہ عیسائی امتِ محمدیہ کا فرد قرار نہیں پائے گا کیونکہ وہ سلسلۂ نبوت کو حضرت عیسیٰؑ سے آگے نہیں بڑھاتا، انہی پر ختم کر دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس سلسلہ کو آگے بڑھا کر نبوتِ محمدیہ پر بھی ایمان لے آئے تو وہ اُمتِ عیسوی سے

کٹ کر اُمتِ محمدیہ کا فرد بن جائے گا۔ حالانکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو اس وقت بھی خدا کا سچا نبی مانتا ہے۔ یعنی ایک شخص اس نبی کی اُمت کا فرد بنتا ہے جسے وہ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی سمجھتا ہے۔ جونہی وہ اس سلسلہ کو آگے بڑھاتا ہے اور ایک اور نبی کی نبوت پر ایمان لے آتا ہے' اس کا سلسلہ سابقہ نبی کی اُمت سے کٹ جاتا ہے اور وہ اس نئے نبی کی اُمت کا فرد قرار پا جاتا ہے۔ مسلمان اُمتِ محمدیہ کے افراد ہیں۔ کیونکہ وہ (اگرچہ تمام سابقہ انبیاء پر بھی ایمان رکھتے ہیں لیکن) سلسلۂ نبوت کو محمدؐ رسول اللہ کی ذاتِ اقدس پر ختم سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص محمدؐ رسول اللہ کے بعد کسی کو نبی تسلیم کرتا ہے تو اس کا سلسلہ اُمتِ محمدیہ سے کٹ جاتا ہے اور اس کا شمار اس نئے نبی کی اُمت میں ہو جاتا ہے۔ اس اصول کے مطابق' مرزا غلام احمد کے دعویٔ نبوت کو ماننے والے اُمتِ محمدیہ کے افراد نہیں رہتے۔ ان سے الگ اُمت قرار پا جاتے ہیں۔

خود مرزا صاحب کو بھی اس حقیقت کا احساس تھا کہ دعویٔ نبوت و رسالت کا لازمی نتیجہ ایک نئے دین کا ظہور میں آنا اور ایک اُمت کا متشکل ہونا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

> انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ تا ایک دین سے دوسرے دین میں داخل کریں اور ایک قبلہ سے دوسرا قبلہ مقرر کرا دیں اور بعض احکام کو منسوخ کریں اور بعض نئے احکام لا دیں۔
>
> (مکتوباتِ احمدیہ' جلد پنجم ص۲ ص۳۲)

"احمدی" حضرات مرزا صاحب کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک نیا دین لے کر آتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

> اللہ تعالیٰ نے اس آخری صداقت کو قادیان کے ویرانے میں نمودار کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو فارسی النسل ہیں اس اہم کام کے لئے منتخب فرمایا۔ اور فرمایا: میں تیرے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ زور آور حملوں سے تیری تائید کروں گا۔ اور جو دین تو لے کر آیا ہے اسے تمام دیگر ادیان پر بذریعہ دلائل و براہین غالب کروں گا۔ اور اس کا غلبہ دنیا کے آخر تک قائم رکھوں گا۔ (الفضل' ۳ فروری ۱۹۳۵ء)

یہ رہا نئے دین کا معاملہ۔ نئی اُمت کے متعلق مرزا صاحب نے فرمایا۔

> جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا اس دعویٰ میں ضرور ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرے۔ اور نیز یہ بھی کہے کہ خدا نے تعالیٰ کی طرف سے میرے پر وحی نازل ہوئی ہے اور نیز خلق اللہ کو وہ کلام سنا دے جو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ایک اُمت بنا دے جو اس

کو نبی سمجھتی ہو اور اس کی کتاب کو کتاب اللہ مانتی ہو۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر و نواہی بیان کئے اور اپنی اُمت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا..... میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۶)

مرزا صاحب کا یہ ارشاد الفضل میں نقل ہوا ہے۔

(مرزا صاحب نے) فرمایا کہ پہلا مسیح صرف مسیح تھا اس لئے اس کی امت گمراہ ہو گئی اور موسوی سلسلہ کا خاتمہ ہوا۔ اگر میں بھی صرف مسیح ہوتا تو ایسا ہی ہوتا لیکن میں مہدی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بروز بھی ہوں۔ اس لئے میری اُمت کے دو حصے ہوں گے۔ ایک وہ جو مسیحیت کا رنگ اختیار کریں گے اور یہ تباہ ہو جائیں گے۔ دوسرے وہ جو مہدیت کا رنگ اختیار کریں گے۔ (الفضل ۲۶ جنوری ۱۹۱۶ء)

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ مرزا صاحب نے اپنی الگ اُمت کیوں بنائی، الفضل لکھتے ہیں۔

کیا مسیح ناصری نے اپنے پیروؤں کو یہود سے یہود سے الگ نہیں کیا۔ کیا وہ انبیاء جن کے سوانح کا علم ہم تک پہنچا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ جماعتیں بھی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اپنی جماعتوں کو غیروں سے الگ نہیں کر دیا۔ ہر ایک شخص کو ماننا پڑے گا کہ بیشک کیا ہے۔ بس اگر حضرت مرزا صاحب نے بھی جو کہ نبی اور رسول ہیں۔ اپنی جماعت کو منہاج نبوت کے مطابق غیروں سے الگ کر دیا تو نئی اور انوکھی بات کون سی کی؟

(الفضل بابت ۲۶ فروری/۲ مارچ ۱۹۱۸ء)

آپ نے دیکھا کہ یہاں تک مرزا صاحب کے دعاوی میں ایک منطقی ربط ہے۔ یعنی دعوئ نبوت کے منطقی نتائج۔ ایک نیا دین اور نئی اُمت ــــ کا اعلان کیا گیا۔ ہمیں (مسلمانوں کو) اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے تو نبوت ہی کا دعوے کیا۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا ہونے کا دعویٰ کر دیتے ہیں ــــ ہم یہ کہیں گے کہ نبوت (یا خدائی کا دعویٰ کرنے والا) مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ ایران میں (انہی دنوں) مرزا علی محمد باب کے جانشین بہاء اللہ نے نبوت کا دعوے کیا۔ ایک نئے دین کا مدعی ہوا۔ اپنی جداگانہ اُمت تشکیل کی۔ مسلمانوں سے الگ

ہوگیا۔ ہم (مسلمان) اس کے دعویٰ کو باطل سمجھتے ہیں. لیکن ہمیں اس کے خلاف اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں ایک غیر مسلم، جو دعاوی جی میں آئے، کرتا رہے، ہمیں اس سے کیا غرض! معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں خود مرزا غلام احمد کا بھی یہی نظریہ تھا کہ ان کی جماعت مسلمان نہیں بلکہ مسلمانوں سے الگ ایک مختص "اُمت" ہے۔ جماعت "احمدیہ" کی بنیاد ۱۹۰۱ء میں رکھی گئی اور (منیر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق) خود مرزا صاحب کی درخواست پر ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں، اس کا ایک الگ جماعت کی حیثیت سے شمار کرایا گیا۔ (رپورٹ صفحہ)

لیکن اس کے بعد مرزا صاحب کے تخیل نے ایک ایسا پلٹا کھایا جس کی مثال اسلام تو ایک طرف، دنیائے مذاہب میں کہیں نہیں ملتی. انہوں نے کہا کہ

۱. مسلمان ہم ہیں. اور

۲. جو لوگ میرے دعوائے نبوت کو قبول نہیں کرتے وہ مسلمان نہیں.

ہم نے جیسا کہ اوپر لکھا ہے، اسلام ہی میں نہیں، دنیائے مذاہب میں اس قسم کے دعویٰ کی کوئی مثال نہیں ملتی. جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اس چودہ سو سال میں کسی شخص نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں نبی ہوں. اور جو مجھے ایسا ہی نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں. مسلمان میرے متبعین ہیں. جہاں تک دنیائے مذاہب کا تعلق ہے، بات بڑی واضح ہے. نبی اکرمؐ نے دعویٰ نبوت فرمایا اور کہا کہ جو شخص میری رسالت پر اور جس قدر انبیائے کرامؑ مجھ سے پہلے گذرے ہیں، ان کی رسالت پر ایمان لائے وہ میری اُمت کا فرد (مسلمان) ہے لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کی رسالت پر ایمان لانے کی بنا پر "موسائی" (یا یہود) ہم ہیں. جو یہودی میری رسالت پر ایمان نہیں لاتا وہ یہودی نہیں رہ سکتا، یا حضرت عیسیٰؑ کی رسالت پر ایمان لانے کی بنا پر، عیسائی ہم ہیں جو عیسائی میری رسالت پر ایمان نہیں لاتا وہ عیسائی نہیں کہلا سکتا. اس قسم کا دعوے کسی "بانیٔ مذہب" نے کبھی نہیں کیا. اگر آج مسلمان یہ کہیں کہ عیسائی ہم ہیں. جو لوگ اپنے آپ کو حضرت عیسیٰؑ کے تبع (عیسائی) کہتے ہیں، وہ دائرۂ عیسائیت سے خارج ہیں، تو آپ سوچئے کہ دنیا اس قسم کے دعویٰ کے متعلق کیا کہے گی. ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ رسالتِ محمدیہ پر ایمان نہیں رکھتے وہ مسلمان نہیں کافر (یعنی رسالتِ محمدیہ کے منکر) ہیں. ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ہندو یا یہودی یا عیسائی نہیں. یہ منفرد مثال مرزا صاحب کے ہاں ہی ملتی ہے کہ جو لوگ رسالتِ محمدیہ پر ایمان کی بنا پر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، وہ مسلمان نہیں مسلمان ہم ہیں جو ایک نئی نبوت پر ایمان لائے ہیں. علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ مرزا صاحب کے مقابلہ میں بہائیوں کا

دعویٰ (غلط ہی سہی لیکن بہرحال) دیانتدارانہ ہے۔ ان کا دعوےٰ یہ ہے کہ

۱. دنیا کے مسلمان 'مسلمان' ہیں۔ لیکن

۲. ہم مسلمان نہیں۔ ان سے الگ ایک نئے مذہب کے متبع اور ایک جداگانہ جماعت کے افراد ہیں۔

لیکن مرزا صاحب اس کے بالکل اُلٹ چلے۔

بہرحال یہ تھا مرزا صاحب کا وہ دعویٰ جو مسلمانوں کے نزدیک کسی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہو سکتا تھا اس لئے کہ اسلام کی رُو سے

۱. مسلمان وہ ہے جو محمّدٌ رسُولُ اللّٰہ کو خدا کا آخری رسول مانتا ہے اور

۲. جو شخص حضورؐ کے بعد دعویٰ نبوت کرتا ہے وہ امتِ محمدیہ کا فرد نہیں رہتا اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے فرمایا کہ مجھے (اور میرے متبعین کو) دائرۂ اسلام سے خارج کرنے والے تم کون ہوتے ہیں؟ یہ حق ایک صاحبِ شریعت 'نبی' کو پہنچتا ہے کہ وہ اپنے دعوے کے منکرین کو کافر قرار دے (تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰)۔ تمہیں یہ کیسے حق پہنچ سکتا ہے کہ مجھے کافر قرار دو! یعنی (آج کل کی مثال کے مطابق) ایک ناجائز قابض کو تو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مالک مکان کو مکان کے اندر داخل نہ ہونے دے۔ مالک مکان کو اس کا حق حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ ناجائز قابض کو مکان سے باہر نکال دے!

یہ تھا اصل مسئلہ

مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ ان سے صرف یہ کہتے کہ آپ نے دعویٰ نبوت کی بناء پر اپنی جداگانہ اُمت کی تشکیل کر لی، ہمیں نہ آپ کے دعوے سے کوئی واسطہ ہے اور نہ آپ کی اُمت سے کوئی سروکار لیکن آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ آپ اپنی اس امت کا نام مسلمان رکھیں۔ چودہ سو سال سے ایک اُمت کا نام مسلمان (یا مسلم) چلا آ رہا ہے۔ اسے اُمتِ محمدیہ کہا جاتا ہے۔ چودہ سو سال سے ساری دنیا میں یہ اُمت اسی نام سے متعارف ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کا نام مسلم رکھا تھا جب کہا تھا کہ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (۲۲/۷۸) "اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ اس قرآن میں بھی اور اس سے پہلے بھی"۔ لہٰذا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس اُمت کے متعلق کہے کہ تمہارا نام مسلم (یا مسلمان) نہیں۔ مرزا صاحب اُمت کا نام اپنی نسبت سے "احمدی" رکھنا چاہتے ہیں تو رکھ لیں۔ جس طرح بہائیوں نے بہاء اللہ

کی نسبت سے اپنا نام بہائی رکھا ہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں (اگرچہ اس میں بھی ابہام اور غلط فہمی پیدا کرنے کا پہلو مضمر ہے) لیکن اُمتِ محمدیہ سے الگ ہو جانے کے بعد، آپ اس علیحدگی کو اس پردے میں نہیں چھپا سکتے کہ مسلمان تو آپ ہیں، یہ ساٹھ ستر کروڑ مسلمان کچھ اور ہیں جو مسلمانوں (یعنی آپ لوگوں) سے الگ ہو گئے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ بات صرف یہاں تک رکھتے، اور یہ بات کسی بحث و مباحثہ کا موضوع بن نہیں سکتی تھی۔ جب مرزا صاحب کا اپنا دعویٰ تھا کہ انہوں نے ایک الگ اُمت کی تشکیل کی ہے۔ جب ان کے متبعین (احمدیوں) کا دعویٰ تھا کہ ہم میں اور مسلمانوں میں کوئی چیز مشترک نہیں — خدا، رسول، دین، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہر بات میں ہم ان سے الگ ہیں۔ ہم ان سے شادی بیاہ تک جائز نہیں سمجھتے۔ ان کے ساتھ نماز تک نہیں پڑھ سکتے۔ ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہو سکتے جب وہ خود اس علیحدگی کے دعویدار تھے، تو ان سے کہنا ہی یہی چاہیئے تھا کہ آپ کو اپنی علیحدگی مبارک، ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں لیکن ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے کہ آپ مسلمانوں سے علیحدہ بھی ہوں اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہیں۔ دنیا میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی کہ جو لوگ مسلمانوں سے الگ ہونے کے مدعی ہوں وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں، اور مسلمانوں سے کہیں کہ تم اپنا نام کچھ اور رکھو!

اس موضوع پر ان حضرات سے نہ کسی بحث و مباحثہ کی ضرورت تھی نہ ہنگامے برپا کرنے کی حاجت اگر یہ حضرات اپنے آپ کو مسلمان کہلانے پر مُصر ہوتے تو ان کے اس قسم کے بیانات کو (جن میں انہوں نے مسلمانوں سے علیحدہ ہونے کی تصریحات کی ہیں) حکومت کے سامنے پیش کر کے مطالبہ کیا جاتا کہ انہیں مسلمانوں سے علیحدہ شمار کیا جائے اور اگر ضرورت پڑتی تو اس سوال کو عدالتِ عالیہ کے سامنے پیش کر کے فیصلہ لے لیا جاتا۔ جب (منیر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق) مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں خود اپنے متبعین کا شمار مسلمانوں سے الگ کرایا تھا، تو مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ وہ اس پر اصرار کرتے کہ ہر مردم شماری میں ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

لیکن یہاں یہ مصیبت تھی کہ ہمارے علماء حضرات خود یہ فیصلہ نہیں کر پاتے تھے (نہ آج تک فیصلہ کر پائے ہیں) کہ مسلمان کہتے کسے ہیں۔ آپ منیر کمیٹی کی رپورٹ دیکھئے۔ انہوں نے اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کے لئے مسلمان علماء سے یہ پوچھا تھا کہ "مسلمان کسے کہتے ہیں"۔ اس سوال کا کوئی متفق علیہ جواب

ان سے نہ بن پڑا۔ جب صورتِ حال یہ سامنے آئی تو منیر کمیٹی کو یہ کہنا پڑا کہ (جب آپ حضرات یہ نہیں بتا سکتے کہ مسلمان کہتے کسے ہیں تو) ہم یہ کس طرح فیصلہ کریں کہ فلاں جماعت جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے، مسلمان کہلا سکتی ہے یا نہیں!

جب تک مسلمان اپنے ہاں اس سوال کا متفق علیہ جواب متعین نہیں کرتے، مسئلہ "احمدیت" کا حل نہیں حل سکتا۔ جب اس مسئلہ میں اس قدر الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے تو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ سوال یہ نہ اٹھایا جائے کہ "مسلمان کسے کہتے ہیں"۔ سوال یہ اٹھایا جائے کہ اُمّتِ محمدیہ میں کس کا شمار ہو سکتا ہے۔ اور اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ دیا جائے کہ جو شخص یہ تسلیم کرے کہ خدا کی طرف سے وحی کا سلسلہ محمد رسول اللہ پر ختم ہو چکا ہے اور میں اس وحی (قرآن کریم) پر ایمان رکھتا ہوں، اُسے اُمّتِ محمدیہ کا فرد شمار کیا جائے۔ بات صاف ہو جائے گی۔ اسلامی ممالک میں اُمّتِ محمدیہ کی اس تعریف (DEFINITION) کو آئینی اور قانونی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے۔

○

اَحمدی حضرات مُسلمان کہلانے پر کیوں مُصر ہیں

سوال یہ ہے کہ "احمدی" حضرات مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینے کے باوجود اپنے آپ کو (سرکاری طور پر) انہی میں شمار کرانے پر کیوں مُصر ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے بیان (احمدیت اور اسلام) میں اس کی وجہ صاف صاف بیان کر دی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس کی ساری وجہ سیاسی ہے۔ "احمدی حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ شمار کرا کر، وہ ان تمام مفادات سے محروم ہو جائیں گے جو سیاسی طور پر مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ بہائیوں کی مثال ان حضرات کے سامنے تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ کر لیا تو کس طرح ان مفادات سے محروم رہ گئے اور حالت یہ ہو گئی کہ

اکیلے پھر رہے ہیں یوسفِ بے کارواں ہو کر

مفادات کے سلسلہ میں بڑے بڑے امور کو چھوڑیئے، صرف سرکاری ملازمتوں کے شعبہ کو لیجیئے۔ ہندوستان میں جب سرکاری ملازمتوں میں تناسب مقرر ہوا تو ہندوؤں کے لئے ۶۶ ۲/۱ فیصد مسلمانوں کے لئے ۲۵ فیصد اور بقایا ۸ ۲/۱ فیصد "دیگر اقلیتوں" کے لئے طے ہوا تھا۔ "دیگر اقلیتوں" میں سکھ، پارسی، ہریجن، بدھ، جین،

بہائی سب شامل تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر "احمدی" بھی اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ شمار کراتے، تو یہ انہی "دیگر اقلیتوں" کے زمرے میں شامل ہو جاتے۔ اس سے ان کے حصے میں جس قدر ملازمتیں آسکتیں ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو دس بارہ کروڑ مسلمانوں کا حصہ شمار کرانے سے یہ ۲۵ فیصد میں شریک ہو گئے۔ اسی سے دیگر مفادات کا اندازہ بھی لگا لیجئے۔

یہ وجہ تھی کہ جو یہ حضرات اپنے ایمان کی رُو سے اپنے آپ کو مسلمانوں (بقول ان کے کافروں) سے الگ تسلیم کرنے کے باوجود اپنا شمار مسلمانوں میں کرانے پر مُصر ہے اور مُصر چلے آرہے ہیں۔ اس سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ علامہ اقبالؒ نے کیوں کہا تھا کہ ان حضرات کے مقابلہ میں بہائیوں کا مسلک دیانتدارانہ تھا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومتِ برطانیہ نے بھی ان کے اس یکسر غیر منطقی اور غیر معقول انداز سے چشم پوشی کیوں کی؟ اس سوال کا جواب تشریح طلب ہے اور بڑا دلچسپ۔ اس کے لئے آئندہ باب سامنے لائیے۔

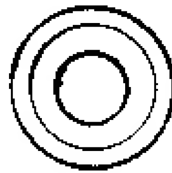

چھٹا باب

یہ تحریک دراصل سیاسی تھی

حقیقت یہ ہے کہ "احمدیت" کی تحریک مذہبی تھی ہی نہیں۔ یہ ایک سیاسی تحریک تھی جو انگریزوں کی پیدا (یا پرورش) کردہ تھی۔ تفصیل اس اجمال کی غور سے سننے کے قابل ہے۔

حکومت برطانیہ کا خطرہ

انگریز نے سات سمندر پار سے آکر ہندوستان میں حکومت قائم کی۔ اپنی حکومت کے استحکام میں اسے اگر کوئی خطرہ نظر آتا تھا تو وہ مسلمانوں کی طرف سے تھا۔ وہ سید احمد (شہید) بریلوی اور شاہ اسمٰعیل (شہید) دہلوی کی تحریکِ جہاد میں دیکھ چکا تھا کہ اُمّتِ مُسلمہ کے اس راکھ کے ڈھیر میں ابھی وہ چنگاریاں دبی ہوئی ہیں جو تھوڑی سی موافق ہوا سے شعلۂ جوالہ بن سکتی ہیں۔ بظاہر وہ تحریک بالاکوٹ میں دفن ہو چکی تھی لیکن اس کی رُوح بدستور زندہ تھی اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد "وہابی تحریک" کی شکل میں سلگ اور سرک رہی تھی۔ انگریز اس سے خائف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے تشدّد سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اسے مذہب ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے پہلے انہوں نے چند علماء حضرات کو تیار کیا کہ وہ جہاد کے ناجائز ہونے کا فتوے دیں لیکن یہ حربہ کارگر نہ ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے سوچا کہ اس مقصد کے حصول کے لئے ایک باقاعدہ تحریک چلائی جانی چاہیئے (ہنٹر نے اپنی کتاب میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے)۔

مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ آخری زمانہ میں امام مہدی کا ظہور اور حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے نزول ہوگا۔ ان کی زیرِ سیاست و امامت اسلام کا پھر سے غلبہ ہو جائے گا۔ اس تحریک کے لئے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے،

یہ ضروری سمجھا گیا کہ ایک ایسا مہدی اور مسیح موعود آجائے جو ان کے جذبۂ انتظار کی بھی تسکین کر دے اور جہاد کے خطرہ کو بھی دور ـــــ یہ تھی اس تحریک کی وجہِ تخلیق، اور یہ تھا وہ مقصد جسے مرزا صاحب نے پورا کرنے کی مذموم کوشش کی۔

اقبالؒ کا بیان

علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۵ء میں تحریکِ "احمدیت" کے سلسلہ میں طویل بیانات (انگریزی زبان میں) دیئے تھے جو بعد میں "احمدیت اور اسلام" کے نام سے شائع ہو گئے تھے۔ وہ ایک بیان میں ان خدشات اور وساوس کا ذکر کرتے ہوئے جو مسلمانوں کے عقیدہ جہاد کی رُو سے انگریز کے دل میں پیدا ہو رہے تھے، کہتے ہیں کہ انگریزوں نے پہلے یہ کوشش کی کہ اس عقیدہ کی تردید منطقی دلائل کی رُو سے کر دی جائے لیکن انہوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ یہ منطق کے بس کا روگ نہیں۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ:

> مسلمان عوام کو جن میں مذہبی جذبہ بہت شدید ہے، صرف ایک چیز قطعی طور پر متاثر کر سکتی ہے یعنی وحی کی سند، راسخ عقائد کو مؤثر طریق پر جڑ بنیاد سے اکھیڑنے اور مذکورہ بالا سوالات میں جو دینی نظریات مضمر ہیں ان کی ایک ایسی نئی تفسیر و تعبیر کرنے کے لئے جو سیاسی طور پر مفید مطلب ہو، یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس کی بنیاد وحی پر رکھی جائے۔ یہ (مبنی بر وحی) بنیاد "احمدیت" نے فراہم کر دی، خود "احمدیوں" کا دعویٰ ہے کہ برطانوی شاہنشاہیت کی یہ سب سے بڑی خدمت ہے جو انہوں نے سرانجام دی ہے۔ (انگریزی ایڈیشن ص۱۲۶)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

> مسلمانوں کے مذہبی افکار کی تاریخ میں "احمدیوں" نے جو کارِ نمایاں سرانجام دیا وہ یہی ہے کہ ہندوستان کی موجودہ غلامی کے لئے وحی کی سند مہیا کر دی جائے۔ (ص۱۲۷)

مرزا صاحب کے تمام دعاوی کا منتہیٰ یہ تھا کہ جہاد کو حرام قرار دے دیا جائے چنانچہ انہوں نے اعلان کیا کہ:

> جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے۔ پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں، بوڑھوں

اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لئے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا۔ اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا[1] (اربعین نمبر ۴ ص۱۵، حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اس کی تشریح میں کہا:۔

آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا۔ خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا۔ (ص۴۷)

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال!
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے!!
دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نورِ خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(اعلان مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم)
(مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی ص۴۹)

---

[1] اس نکتہ کو ذہن میں رکھئے کہ اسی جہاد کو منسوخ قرار دیا جا رہا ہے جو بحکمِ خداوندی رسول اللہؐ کے زمانے میں رائج تھا اور جس کا حکم قرآنِ مجید کے اندر مسلسل چلا آرہا ہے۔ مرزا صاحب اس قرآنی حکم کو منسوخ قرار دے رہے ہیں۔ (۲/۲۱۶، ۸/۶۵، ۴۷/۲۰)۔

حکومتِ برطانیہ کی اطاعت

جہاد کو حرام قرار دینے کے بعد اگلا قدم یہ تھا کہ حکومتِ برطانیہ کی اطاعت کو فرض قرار دیا جاتا۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اسے مختصراً پیش کرنے کے لئے بھی کئی مجلدات درکار ہوں گی۔ انہوں نے خود کہا ہے کہ جو کچھ انہوں نے ردِّ جہاد اور اطاعتِ حکومتِ برطانیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے اگر اسے یکجا کر دیا جائے تو اس سے پچاس الماریاں بھر جائیں (تریاق القلوب ص۱۵)۔ لہٰذا اس کا احصار ممکن نہیں۔ ہم اس مقام پر چند ایک اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ انہوں نے ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا "اشتہار لائق توجہ گورنمنٹ جو جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند اور جناب گورنر جنرل ہند اور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اور دیگر معزز حکام کے ملاحظہ کے لئے شائع کیا گیا" اس میں انہوں نے لکھا۔

> میں نے برابر سولہ برس سے یہ اپنے پر حق واجب ٹھہرا لیا کہ اپنی قوم کو اس گورنمنٹ کی خیر خواہی کی طرف بلاؤں اور ان کو سچی اطاعت کی طرف ترغیب دوں۔ چنانچہ میں نے اس مقصد کے انجام کے لئے اپنی ہر ایک تالیف میں یہ لکھنا شروع کیا کہ اس گورنمنٹ کے ساتھ کسی طرح مسلمانوں کو جہاد درست نہیں۔

دوسری جگہ لکھا ہے۔

> میں نے خدا تعالےٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ کوئی مبسوط کتاب بغیر اس کے تالیف نہیں کروں گا جو اس میں احساناتِ قیصرہ کا ذکر نہ ہو۔ (نور الحق حصہ اوّل ص۲۸)

اُولی الامر منکم

قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (۴/۵۹) یعنی "تم خدا کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جنہیں کچھ اختیارات سونپ دیئے جائیں ان کی اطاعت کرو۔" مرزا صاحب نے اس آیت کے لکھنے کے بعد تحریر کیا کہ

> اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزماں ہے اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے

ہے اس لئے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے
اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔

(ضرورت الامام صفحہ ۲۳)

یعنی قرآنِ کریم نے خدا اور رسول اور جماعتِ مومنین میں سے ان افسرانِ ماتحت کی اطاعت کو فرض قرار دیا تھا جنہیں کچھ اختیارات تفویض کئے گئے ہوں۔ لیکن مرزا صاحب کفار کی اطاعت کو فرض قرار دے رہے ہیں۔ یا للعجب!

وہ اپنے اشتہار مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء میں لکھتے ہیں کہ

میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانانِ ہند پر اطاعتِ گورنمنٹ برطانیہ فرض اور جہاد حرام ہے۔ (تبلیغ رسالت، جلد سوم، صفحہ ۱۹۶)

ایک اور مقام پر ہے:۔

میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں......
میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔

(تریاق القلوب، صفحہ ۱۵)

انہوں نے ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کو "بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہٗ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد" ایک درخواست پیش کی جس میں لکھا تھا کہ

جہاد ختم

میں گورنمنٹ عالیہ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ فرقہ جدید جو برٹش انڈیا کے اکثر مقامات میں پھیل گیا ہے جس کا میں پیشوا اور امام ہوں، گورنمنٹ کے لئے ہرگز خطرناک نہیں ہے اور اس کے اصول ایسے پاک اور صاف اور امن بخش اور صلح کاری کے ہیں کہ تمام اسلام کے موجودہ فرقوں میں اس کی نظیر گورنمنٹ کو نہیں ملے گی۔ میرے اصولوں اور اعتقادوں اور ہدایتوں میں کوئی امر جنگ جوئی اور فساد

کا نہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے. کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے.

آپ نے غور فرمایا ہے کہ مسیح اور مہدی کے دعوے اور قرآنی حکم جہاد کی تنسیخ کا مقصد کیا تھا؟ مسلمانوں کے دل سے جہاد کا خیال ختم کرنا!

ایک اور اشتہار میں فرماتے ہیں.

> یاد رہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے یہ فرقہ جس کا مجھے خدا نے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا ہے ایک بڑا امتیازی نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اس فرقہ میں تلوار کا جہاد بالکل نہیں اور نہ اس کی انتظار ہے. بلکہ یہ مبارک فرقہ نہ ظاہر طور پر نہ پوشیدہ طور پر، جہاد کی تعلیم کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا. (اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم ص۴۲)

چنانچہ وہ فخر سے لکھتے ہیں کہ میری ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ

> لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے جو نا فہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے. یہ ایک ایسی خدمت ظہور میں آئی کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہ سکا.
>
> (ستارہ قیصرہ ص۳)

جب مسلمانوں نے مرزا صاحب کے ان دعاوی اور خیالات کی مخالفت کی تو انہوں نے "حضور گورنمنٹ عالیہ" کی خدمت میں ایک 'عاجزانہ درخواست' پیش کی جس میں کہا کہ:۔

> میں اس گورنمنٹ محسنہ کے زیر سایہ ہر طرح سے خوش ہوں. صرف ایک رنج اور درد اور غم ہر وقت مجھے لاحق ہے جس کا استغاثہ پیش کرنے کے لئے اپنی محسن گورنمنٹ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور وہ یہ کہ اس ملک کے مولوی مسلمان اور ان کی جماعتوں کے لوگ حد سے زیادہ مجھے ستاتے اور دکھ دیتے ہیں. (مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہشتم ص۵۲)

اور اس کے بعد سرکار عالی سے کہا کہ ہم جو آپ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں تو کچھ اپنی حفاظت کے لئے نہیں. یہ اس پودے کی حفاظت کے لئے ہے جو خود آپ کے اپنے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے. آپ نے پہلے ہمارے خاندان کی پرورش و حفاظت کی اور اب آپ میری اور میری تحریک کی حفاظت فرما رہے ہیں ــــ یہ آپ کی ذمہ داری

تھی کیونکہ یہ تحریک آپ ہی کی تو پیدا کردہ ہے چنانچہ وہ لیفٹیننٹ گورنر بہادر کے نام اپنی درخواست مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء میں کہتے ہیں۔

انگریزوں کا خود کاشتہ پودا

میرا اس درخواست سے جو حضور کی خدمت میں مع اسماء مریدین روانہ کرتا ہوں، مدعا یہ ہے کہ اگرچہ میں ان خدمات خاصہ کے لحاظ سے جو میں نے اور میرے بزرگوں نے محض صدق دل اور اخلاص اور جوش اور وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوشنودی کے لئے کی ہے عنایت خاص کا مستحق ہوں صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ...... اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم و احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو ارشاد فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں ...... اس لئے کہ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ مورد مراحم گورنمنٹ ہے۔

انگریزی سلطنت سپر ہے

اس سلسلہ میں حکومت نے اس جماعت کو کس طرح اپنی عنایات خصوصی سے نوازا اس کا تو ہمیں علم نہیں، مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو نصیحت کی کہ یاد رکھو۔

انگریزی سلطنت تمہارے لئے ایک رحمت ہے تمہارے لئے ایک برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے۔ پس تم دل وجان سے اس سپر کی قدر کرو۔

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم صہ ۱۲۳)

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے مرزا صاحب نے کہا تھا کہ جو حکومت ہمارے مقاصد کی مخالف نہ ہو اس کی اطاعت فرض ہے۔ اس لئے انہوں نے واضح طور پر لکھا کہ :۔

میرے اعلیٰ مقاصد جو جناب قیصرہ ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں۔ ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے۔ اگرچہ وہ کوئی اسلامی

گورنمنٹ ہی ہوتی۔ (تحفۂ قیصریہ صہ۲۷)

ایسا کسی اسلامی حکومت میں ممکن نہیں

ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیرِ سایہ آرام پایا اور پا رہے ہیں وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پا سکتے۔ ہرگز نہیں پا سکتے۔ (ازالہ اوہام صہ۹۰)

وہ اپنے اشتہار مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۹۷ء میں لکھتے ہیں۔

میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں، نہ روم میں نہ شام میں، نہ ایران میں نہ کابل میں۔ مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے دعا کرتا ہوں۔
(تبلیغِ رسالت جلد ششم صہ۶۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

جو کچھ ہم پوری آزادی سے اس گورنمنٹ کے تحت میں اشاعتِ حق کر سکتے ہیں یہ خدمت ہم مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بھی ہرگز بجا نہیں لا سکتے۔ (ازالہ اوہام صہ۵۹)

ان اقتباسات میں اس اعتراف اور اعلان کو اچھی طرح پیشِ نظر رکھئے کہ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ جو آزادی ہمیں انگریزوں کی حکومت میں حاصل ہے وہ کسی اسلامی حکومت حتیٰ کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے واضح ہے کہ کسی اسلامی حکومت کا وجود مرزا صاحب اور ان کے متبعین کے لئے کسی صورت میں قابلِ قبول اور قابلِ برداشت نہیں ہو سکتا۔

شرم کیوں آتی ہے

حکومتِ برطانیہ کی اس حد تک خوشامد ایک ایسی حرکت تھی جس کے احساس سے اور تو اور خود مرزا صاحب کے متبعین کو بھی شرم آنے لگ گئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں میاں محمود احمد صاحب کو انہیں ڈانٹ کر کہنا پڑا کہ:-

حضرت مسیح موعود نے فخریہ لکھا ہے کہ میری کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں میں نے گورنمنٹ کی تائید نہ کی ہو۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میں نے غیروں سے نہیں بلکہ احمدیوں کو یہ کہتے سنا ہے ..... کہ ہمیں حضرت مسیح موعود کی ایسی تحریریں پڑھ کر شرم آجاتی ہے۔ انہیں شرم کیوں آتی ہے؟ اس لئے کہ ان کے اندر کی آنکھ کھلی نہیں۔ (الفضل بابت ۷ جولائی ۱۹۳۲ء)

مرزا صاحب کے بعد

مرزا صاحب یہ "تبلیغ" کرتے کرتے دنیا سے چلے گئے اور اس کے بعد ان کے متبعین نے بھی اس سلسلے کو جاری رکھا اور اس کے صلہ میں (یا یوں کہیئے کہ خود اپنے مفاد کی خاطر) انگریزی حکومت نے بھی اپنی اعانت اور حفاظت کا سلسلہ بدستور قائم رکھا۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی چنانچہ میاں محمود احمد (خلیفہ ثانی) نے اعلان کیا کہ :۔

> گورنمنٹ برطانیہ کے ہم پر بڑے احسان ہیں اور ہم بڑے آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کرتے اور مقاصد کو پورا کرتے ہیں ...... اور اگر دوسرے ممالک میں تبلیغ کے لئے جائیں تو وہاں بھی برٹش گورنمنٹ ہماری مدد کرتی ہے۔ (برکات خلافت صفحہ ۹۵)

تقسیم سے پہلے ہندوستان میں مالابار کے علاقہ میں "احمدیوں" کے خلاف ایک تحریک اٹھی تھی حکومت ہند نے اس میں "احمدیوں" کی حفاظت کا خاص انتظام کیا اور

> ڈپٹی کمشنر نے یہ حکم دیا کہ اب اگر "احمدیوں" کو کوئی تکلیف ہوئی تو مسلمانوں کے جتنے لیڈر ہیں ان سب کو نئے قانون کے ماتحت ملک بدر کر دیا جائے گا۔ (انوار خلافت صفحہ ۹۶-۹۵)

جاسوس جماعت

حکومت کے ساتھ ان کے یہ تعلقات اس قدر گہرے اور پُراسرار تھے کہ لوگوں میں یہ چرچا عام ہونے لگا کہ یہ جماعت حکومت کی جاسوس ہے۔ ۲۶ مارچ ۱۹۲۴ء کو ان حضرات کے اکابرین نے حضور وائسرائے کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا جس میں انہوں نے عرض کیا کہ

> جماعت احمدیہ کا سیاسی مسلک ایک مقررہ شاہراہ ہے جس سے وہ کبھی ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے اور وہ حکومت وقت کی فرمانبرداری اور امن پسندی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے رسول دنیا کو امن دینے کے لئے نہیں آئے تو وہ یقیناً دنیا کے لئے رحمت نہیں کہلا سکتے بعض لوگوں نے سلسلہ احمدیہ کی اس تعلیم سے یہ دھوکا کھایا ہے کہ شاید جماعت احمدیہ حکومت ہند سے سازباز رکھتی ہے ......
>
> اور اس کا تعلق حکومت برطانیہ کی جاسوس جماعت سے ہے۔ (الفضل مورخہ ۲ اپریل ۱۹۲۴ء)

یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ اس کی اندرونی وجہ کیا تھی لیکن ان کے لٹریچر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد ان میں کشیدگی پیدا ہو گئی حتیٰ کہ میاں محمود احمد صاحب نے اپنے خطبۂ جمعہ میں یہاں تک کہہ دیا کہ

> حکومت نے اندھا دھند اپنا قلم اٹھایا اور ہمیں باغی اور سلطنت کا تختہ اُلٹ دینے والا قرار دے دیا۔ (الفضل ۱۱ نومبر ۱۹۳۴ء)

حتیٰ کہ حکومت نے اس جماعت کے افراد کو بڑے بڑے عہدے دینے بھی بند کر دیئے جس کی وجہ سے میاں محمود احمد کو یہ کہنا پڑا کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ

> حکومت کے اپنے راز بھی محفوظ نہیں رہے...... اگر اعلیٰ عہدوں پر اس کی وفادار جماعت کے ارکان ہوں تو اس کے راز مخفی رہیں۔ (الفضل بابت ۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء)

جب حکومت نے اس طرح ان سے دستِ شفقت کھینچ لیا تو انہیں تحفظِ خویش کا خیال آیا اور میاں محمود احمد صاحب نے اپنی جماعت کے لوگوں سے تاکیداً کہا کہ وہ اپنے آپ کو منظم کریں اور ان کی تشکیل کردہ نیشنل لیگ میں شامل ہوں۔

مسلم لیگ یا کانگریس

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں تحریکِ آزادی زوروں پر تھی۔ منیر رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پہلے جماعت "احمدیہ" اس زعم میں تھی کہ شاید ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کی جانشین وہی ہو۔ لیکن انگریزوں کی بدلی ہوئی نگاہوں کو دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں تحریکِ آزادی کا ساتھ دینا چاہیئے۔ لیکن وہ اس بارے میں تذبذب میں رہے کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیا جائے یا کانگریس کا ـــ سر ظفر اللہ خان مسلم لیگ کی طرف آئے لیکن انہوں نے جلدی محسوس کر لیا کہ مسلمان انہیں برداشت نہیں کر سکیں گے (دہلی میں مسلم لیگ کا جو اجلاس ان کی زیرِ صدارت منعقد ہونے والا تھا اسے ہنگامہ کی وجہ سے بند ہال میں منعقد کرنا پڑا تھا) معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ ان کا سمجھوتہ ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علامہ اقبالؒ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ "احمدیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اس پر پنڈت جواہر لال نہرو کی طرف سے تین چار آرٹیکل شائع ہوئے جن میں اس مطالبہ کی مخالفت کی گئی۔ اس سے ان حضرات نے پنڈت نہرو کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔ چنانچہ وہ مئی ۱۹۳۶ء میں لاہور آئے...... تو "احمدیوں" کی طرف سے ان کا بڑا شاندار جلوس نکالا گیا جس کی تفصیل قادیان کے اخبار

الفضل کی ۳۱ مئی ۱۹۳۶ء کی اشاعت میں یوں شائع ہوئی تھی۔

چونکہ کانگریس نے صرف پانچ صد والنٹیروں کی خواہش کی تھی اس لئے قادیان سے تین صد اور سیالکوٹ سے دو صد کے قریب والنٹیر ۲۸ مئی کو لاہور پہنچ گئے۔ قادیان کی کور دس بجے پہنچی۔ گاڑی کے آنے پر جناب صدر آل انڈیا نیشنل لیگ اور قائد اعظم[1] آل انڈیا نیشنل لیگ کور موجود تھے..... قادیان سے کار خاص کے سپاہی ساتھ آئے..... (استقبال کے سلسلے میں) کور کا مظاہرہ ایسا شاندار تھا کہ ہر شخص اس کی تعریف میں رطب اللّسان تھا اور لوگ کہہ رہے تھے کہ ایسا شاندار نظارہ لاہور میں کم دیکھنے میں آیا ہے۔ کانگریسی لیڈر کور کے ضبط اور ڈسپلن سے حد درجہ متاثر تھے اور بار بار اس کا اظہار کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ ایک لیڈر نے شیخ صاحب (یعنی شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ) سے کہا کہ اگر آپ لوگ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں تو یقیناً ہماری فتح ہو گی۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد انہوں نے محسوس کر لیا کہ ہندوؤں کے ہاتھوں ان کی جان و مال محفوظ نہیں رہ سکتے اور اس طرح انہیں' باصد دلِ ناخواستہ یہ کہتے ہوئے پاکستان آنا پڑا کہ یہ علیحدگی عارضی ہے کچھ عرصے کے بعد یہ دونوں ملک پھر آپس میں مل جائیں گے۔

جب ہندوستان میں' ان حضرات کو اپنی تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی تھی تو اس کے لئے مرزا محمودؒ کے ذہن میں ایک اسکیم اُبھری تھی' جسے انہوں نے ایک خطبۂ جمعہ میں ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔

احمدیوں کے پاس ایک چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی نہیں جہاں احمدی ہی احمدی ہوں۔ کم از کم ایک علاقہ کو مرکز بنا لو۔ جب تک ایک ایسا مرکز نہ ہو جس میں کوئی غیر نہ ہو' اس وقت تک تم مطلب کے مطابق امور جاری نہیں کر سکتے۔ اور نہ اخلاق کی تعلیم ہو سکتی ہے' نہ پورے طور پر تربیت کی جا سکتی ہے۔ اس لئے نبی کریمؐ نے حکم دیا تھا کہ مکّہ اور حجاز سے مشرکوں کو نکال دو۔ ایسا علاقہ اس وقت ہمیں نصیب نہیں جو خواہ چھوٹے سے چھوٹا ہو' مگر اس میں غیر نہ ہوں۔ جب تک یہ نہ ہو' اس وقت تک ہمارا کام بہت مشکل ہے۔ اگر یہ نہ ہوا تو کام اور

---

[1] ایک قائد اعظمؒ مسلمانوں کے تھے اور ان کے مقابلے میں یہ "قائد اعظم" "احمدی" جماعت کے تھے۔

مشکل ہو جائے گا۔

(خطبہ جمعہ، میاں محمود احمد صاحب، مندرجہ الفضل، ۱۲ مارچ ۱۹۲۲ء)

ہندوستان میں تو انگریزوں نے ان کی اس اسکیم کو کامیاب نہ ہونے دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس طرح (VATICAN STATE) کی طرح ریاست کے اندر ایک ریاست قائم ہو جائے گی۔ پاکستان پہنچنے کے بعد انہوں نے سب سے پہلا قدم اس اسکیم کی عملی تشکیل کے لئے اٹھایا۔ چنانچہ انہوں نے مئی ۱۹۴۸ء میں ایک وسیع خطۂ زمین حاصل کیا اور قائداعظمؒ کی وفات کے چند ہی روز بعد وہاں ایک بستی بسانے کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ بستی وہی ہے جو ربوہ کے نام سے مشہور ہے۔

نگاہِ اُو بشاخِ آشیانہ

بسنے کو تو یہ لوگ ربوہ میں بس گئے لیکن ان کے قلب و نگاہ کا مرکز قادیان ہی رہا۔ وہ قادیان جو ان کے نزدیک ساری دنیا سے زیادہ مقدس بستی ہے۔ ان کی نگاہوں میں اس کی اہمیت کیا ہے۔ اس کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر ان میں سے دو چار اقتباسات یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) "قرآن شریف میں جس مسجد اقصیٰ کا ذکر ہے اس سے مراد قادیان کی مسجد ہے۔
(اب ربوہ کی مسجد کا نام مسجد اقصیٰ ہے)۔　　　(الفضل، بابت ۲۱ اگست ۱۹۳۲ء)

(۲) "زمینِ قادیان اب محترم ہے　　ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے۔
(درثمین صفحہ ۵۲، مجموعہ کلام، مرزا غلام احمد)

(۳) حضرت مسیح موعود کا جو یہ الہام ہے کہ ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام قادیانؑ کے ہیں۔ (لہٰذا) قادیان کے جلسہ میں شمولیت کو ظلی حج کہنا ناجائز نہیں۔　　(تقریر میاں محمود احمد، مندرجہ الفضل، بابت ۵ جنوری ۱۹۳۳ء)

(۴) "آج جلسہ کا پہلا دن ہے اور ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔"
(تقریر میاں محمود احمد جلسہ سالانہ ۱۹۱۴ء)

لہ لیکن مرزا صاحب کی وفات تو لاہور میں ہوئی تھی۔

(۵) جیسے احمدیت کے بغیر پہلا یعنی حضرت مرزا صاحب کو چھوڑ کر جو اسلام باقی رہ جاتا ہے، وہ خشک اسلام ہے، اسی طرح ظلی حج کو چھوڑ کر مکہ والا حج بھی خشک حج رہ جاتا ہے"

قادیانی جماعت کے ایک بزرگ کا ارشاد، مندرجہ اخبار پیغام صلح مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۳ء)

ان حضرات کے عقیدہ کی رُو سے قادیان کے ساتھ ان کے جس قدر گہرے جذبات وابستہ ہو سکتے ہیں اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بیت المقدس پر یہودیوں کا تسلط ہو گیا ہے تو ساری دنیا کے مسلمانوں کے دل وقف صد اضطراب ہیں۔ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھئے اور سوچئے کہ اگر (خدانخواستہ۔ خدانکردہ) کسی وقت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر غیروں کا تسلط ہو جائے اور ہم وہاں تک پہنچنے سے روک دیئے جائیں تو اس رکاوٹ کو دُور کرنے کے لئے ہم کیا کچھ نہیں سوچیں اور کیا کچھ کر گزرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اسی قسم کے جذبات، ان حضرات کے دل میں موجزن رہتے ہیں، اس رکاوٹ کو دُور کرنے کے لئے جو اس وقت ان کے اور قادیان کے درمیان حائل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ رکاوٹ پاکستان اور ہندوستان کی علیحدگی ہے اور یہ علیحدگی اسی صورت میں دُور ہو سکتی ہے کہ پاکستان اور ہندوستان پھر سے ایک ہو جائیں۔ یا یہاں انہیں ایسی سیاسی پوزیشن حاصل ہو جائے کہ یہ اس باب میں بھارت کے ساتھ براہِ راست معاملہ طے کر سکیں۔ ویٹیکن کے انداز کی ریاست قائم کرنے کا تصور اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لیکن یہ حضرات ویٹکن ریاست تک ہی محدود نہیں رہنا چاہتے، ان کے عزائم اس سے وسیع تر ہیں۔ اس سلسلے میں مرزا محمود نے بہت پہلے کہہ دیا تھا

حکومت والوں کو حکومتیں مبارک ہوں، ہم ان کو آسمانی پیغام پہنچا کر دینِ واحد پر جمع کریں گے اور ظاہر ہے کہ ان کے دینِ واحد پر جمع ہونے کے یہی معنی ہیں کہ دنیا میں اسلام کی حکومت قائم ہو جائے اور سلسلہ احمدیہ کے افراد اس حکومت کے چلانے والے ہوں۔

(الفضل بابت ۲ اگست ۱۹۳۶ء)

یعنی پہلے ایک خطۂ زمین میں ایسی حکومت قائم کی جائے جس کے چلانے والے سلسلہ احمدیہ کے افراد ہوں اور اس کے بعد ساری دنیا میں یہی کیفیت پیدا کر دی جائے۔ میاں محمود احمد کے الفاظ میں:۔

ہماری جماعت کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ دنیا کو کھا جانا ہے۔ (الفضل بابت ۷ اپریل ۱۹۳۸ء)

مسلمانوں کو بیت المقدس بھی نہیں مل سکتا

ضمناً اپنے لئے تو یہ حضرات ساری دنیا پر حکومت کا عزم رکھتے ہیں لیکن مسلمانوں کو

بیت المقدس کی تولیت کا بھی حقدار نہیں سمجھتے۔ چنانچہ انہوں نے آج سے بہت پہلے اس کا فیصلہ کر دیا تھا کہ

اگر یہودی اس لئے بیت المقدس کی تولیت کے مستحق نہیں کہ وہ جناب مسیح اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و نبوت کے منکر ہیں اور عیسائی اس لئے غیر مستحق ہیں کہ انہوں نے خاتم النبیین کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا ہے تو یقیناً غیر احمدی بھی مستحق تولیتِ بیت المقدس نہیں۔ کیونکہ یہ بھی اس زمانے میں مبعوث ہونے والے خدا کے ایک اولوالعزم نبی کے منکر اور مخالف ہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ حضرت مرزا صاحب کی نبوت ثابت نہیں تو سوال ہوگا کن کے نزدیک؟ اگر جواب یہ ہو کہ نہ ماننے والوں کے نزدیک، تو اسی طرح یہود کے نزدیک مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور مسیحیوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت بھی ثابت نہیں۔ اگر منکرین کے فیصلہ سے ایک نبی غیر نبی ٹھہرتا ہے تو کروڑوں عیسائیوں اور یہودیوں کا اجماع ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من جانب اللہ نبی اور رسول نہ تھے۔ پس اگر ہمارے غیر احمدی بھائیوں کا یہ اصل درست ہے کہ بیت المقدس کی تولیت کے مستحق تمام نبیوں کے ماننے والے ہی ہو سکتے ہیں تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ احمدیوں کے سوا خدا کے تمام نبیوں کا مومن اور کوئی نہیں۔

(اخبار الفضل قادیان مورخہ ۷ نومبر ۱۹۳۱ء، جلد نمبر ۹، نمبر ۳۶)

یہ ہیں "احمدیوں" کی قادیانی جماعت کے اعتقادات اور عزائم۔ اب ان کی لاہوری جماعت کی طرف آئیے۔

ساتواں باب

لاہوری جماعت

مرزا صاحب کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ اس وقت تک ان کی جماعت میں کوئی باہمی اختلاف نہیں تھا (کم از کم سطح پر نہیں آیا تھا اگرچہ اس کے جراثیم اسی زمانے میں پیدا ہو گئے تھے) ان کے بعد حکیم نور الدین صاحب ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ ان کی زندگی میں بھی کوئی اختلاف اُبھر کر سامنے نہ آیا۔ ان کی وفات ۱۹۱۴ء میں ہوئی اور اس کے ساتھ ہی یہ جماعت دو شاخوں میں بٹ گئی۔ قادیانی شاخ کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود قرار پائے اور خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی نے لاہوری شاخ قائم کی۔ اس افتراق کے حقیقی اسباب یا محرکات کا تو علم نہیں (کیونکہ یہ راز درونِ خانہ تھا) البتہ جو قرائن مشہود طور پر سامنے آئے ہیں ان سے مترشح ہوتا ہے کہ بنائے نزاع وہی تھی جو ہر جاگیردارانہ نظام میں وجۂ مخالفت ہوتی ہے۔

غریبی سے امیری

تحریکِ "احمدیت" کی ابتدا نہایت سقیم حالات میں ہوئی لیکن رفتہ رفتہ اس کی مالی پوزیشن بڑی مستحکم ہو گئی۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

> ہماری معاش اور آرام کا تمام مدار ہمارے والد صاحب کی محض ایک مختصر آمدنی پر منحصر تھا اور بیرونی لوگوں میں سے ایک شخص بھی مجھے نہیں جانتا تھا اور میں ایک گمنام انسان تھا جو قادیان جیسے ویران گاؤں میں زاویہ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ پھر بعد اس کے خدا نے اپنی پیش گوئی کے موافق ایک دنیا کو میری طرف رجوع دے دیا اور ایسی متواتر فتوحات سے مالی مدد کی کہ جس کا

شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔

مجھے اپنی حالت پر خیال کرکے اس قدر بھی امید نہ تھی کہ دس روپے ماہوار بھی آئیں گے مگر خدائے تعالیٰ جو غریبوں کو خاک سے اٹھاتا ہے اور متکبروں کو خاک میں ملاتا ہے۔ اس نے ایسی میری دستگیری کی کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اب تک تین لاکھ کے قریب روپیہ آچکا ہے۔ اور شاید اس سے بھی زیادہ ہو۔ اگر اس میرے بیان کا اعتبار نہ ہو تو بیس برس کی ڈاک کے سرکاری رجسٹروں کو دیکھو تا معلوم ہو کہ کس قدر آمدنی کا دروازہ اس تمام مدت میں کھولا گیا ہے۔ حالانکہ یہ آمدنی صرف ڈاک کے ذریعے تک محدود نہیں رہی بلکہ ہزار ہا روپے کی آمدنی اس طرح بھی ہوئی ہے کہ لوگ خود قادیاں میں آکر دیتے تھے اور نیز ایسی آمدنی جو لفافوں میں نوٹ بھیجے جاتے ہیں۔

(حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۱۲-۲۱۱)

یہ تو وہ آمدنی تھی جو عطیات (چندہ) پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ، دو اسکیمیں ایسی تھیں جن سے ایک جاگیر وجود میں آگئی۔ قادیان ایک قصبہ نما گاؤں تھا جس کی زمینیں عام دیہات کی زمینوں جیسی تھیں۔ مرزا صاحب نے دو ایسی اسکیموں کی ترویج کی جن سے ان کی زمینیں کانِ جواہر بن گئیں۔ ایک اسکیم بہشتی مقبرہ کی تھی جس کے متعلق فرمایا کہ

خدا نے مجھے وحی کی اور ایک زمین کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ وہ زمین ہے جس کے نیچے جنت ہے۔ پس جو شخص اس میں دفن کیا گیا وہ جنت میں داخل ہوا اور وہ امن پانے والوں میں سے ہے۔

(اُردو ترجمہ الاستفتاء، عربی صلا)

اس مقبرہ میں دفن ہونے کے لئے جو شرائط مقرر کی گئیں، ان میں ایک تو یہ تھی کہ وہ شخص اپنی حیثیت کے مطابق چندہ ادا کرے اور دوسری یہ کہ وہ یہ وصیت کرے کہ اس کے ترکہ کا کم از کم دسواں حصہ سلسلہ "احمدیہ" کو ملے گا۔ ان شرائط کے بعد مرزا صاحب نے تحریر فرمایا کہ

میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا نے استثنار رکھا ہے۔ باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ہو ان کو ان شرائط کی پابندی لازم ہوگی۔ اور شکایت کرنے والا منافق ہوگا۔

(الوصیت، صـ ۲۳-۱۱)

دوسری اسکیم یہ تھی کہ لوگ ہجرت کرکے قادیان میں آباد ہوں۔ فرمایا کہ

جو شخص سب کو چھوڑ کر اس جگہ آکر آباد نہیں ہوتا۔ اور کم سے کم یہ کہ یہ تمنا دل میں نہیں رکھتا اس کی حالت کی نسبت مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے۔

(تریاق القلوب صفحہ ۶)

حساب کتاب پر اعتراضات

ان اسکیموں کی رُو سے سرزمین قادیان جس طرح چند سالوں میں ایک جاگیر بن گئی۔ ظاہر ہے کہ اس سے حساب کتاب کا مسئلہ چھڑا اور خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی صاحب نے مرزا صاحب پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے۔ ان کے متعلق میاں محمود احمد نے خلیفہ نور الدین صاحب کو اپنے ایک خط میں لکھا۔

باقی آپ سے (یعنی مولوی حکیم نور الدین صاحب قادیانی خلیفہ اوّل سے) میں (یعنی میاں محمود احمد صاحب ابن مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ابتلاء اگر حضرت (مرزا) صاحب زندہ رہتے تو ان کے عہد میں بھی آتا۔ کیونکہ یہ لوگ (یعنی خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب لاہوری) اندر ہی اندر تیاریاں کر رہے تھے۔ چنانچہ نواب صاحب نے بتایا کہ ان سے انہوں نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ حضرت (مرزا) صاحب سے حساب لیا جائے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اپنی وفات سے جس دن وفات ہوئی اسی دن بیماری سے کچھ ہی پہلے کہ خواجہ (کمال الدین) صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ مجھ پر بدظنی کرتے ہیں کہ میں قوم کا روپیہ کھا جاتا ہوں ان کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ آج خواجہ صاحب مولوی محمد علی (صاحب) کا ایک خط لے کر آئے اور کہا کہ مولوی محمد علی (صاحب) نے لکھا ہے کہ لنگر کا خرچ تو تھوڑا سا ہوتا ہے باقی ہزاروں روپیہ جو آتا ہے وہ کہاں جاتا ہے۔ اور گھر میں آکر آپ نے بہت غصہ ظاہر کیا اور کہا کہ کیا یہ لوگ ہم کو حرام خور سمجھتے ہیں۔ ان کو اس روپیہ سے کیا تعلق۔ اگر آج میں الگ ہو جاؤں تو سب آمدن بند ہو جائے۔

پھر خواجہ صاحب نے ایک ڈیپوٹیشن کے موقع پر جو عمارت مدرسہ کا چندہ لینے گیا تھا مولوی محمد علی سے کہا کہ حضرت (مرزا) صاحب آپ تو خوب عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے خرچ گھٹا کر بھی چندہ دو۔ جس کا جواب مولوی محمد علی صاحب

نے یہ دیا کہ ہاں اس کا انکار تو نہیں ہو سکتا مگر بشریت ہے۔ کیا ضرور کہ ہم نبی کی بشریت کی پیروی کریں۔ (حقیقت اختلاف صفحہ ۵۰
مصنفہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری)

حکیم نور الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب کے استاد تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی تک یہ اختلافات دبے دبے سے رہے اور ان کی وفات کے بعد یہ جماعت دو پارٹیوں میں بٹ گئی۔ جہاں تک عقائد کا تعلق ہے، علیحدگی کے وقت تک ان میں (یعنی ان دونوں پارٹیوں میں) کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ لاہوری حضرات بھی مرزا صاحب کو نبی اور رسول مانتے تھے۔ ان کا اعلان تھا کہ

> ہم حضرت مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ السلام کو اس زمانہ کا نبی رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں...... ہمارا ایمان ہے کہ اب دنیا کی نجات حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلام، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے بغیر نہیں ہو سکتی۔
>
> (لاہوری جماعت کا اخبار پیغام صلح، بابت ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

اس کے بعد ان میں عقائد کا اختلاف پیدا ہو گیا چنانچہ مولوی محمد علی صاحب اپنے رسالہ "مسیح موعود اور ختم نبوت" میں لکھتے ہیں کہ فریق قادیان اور فریق لاہور کا اصلی اختلاف صرف دو امور میں ہے۔

> اول یہ کہ حضرت مسیح موعود مجدد تھے یا نبی۔ فریق قادیان کے پیشوا کا خیال ہے کہ آپ نبی تھے فریق لاہور آپ کو صرف مجدد مانتا ہے۔
>
> دوم یہ کہ جو مسلمان آپ کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ فریق قادیان کے پیشوا کا خیال ہے کہ روئے زمین کے تمام مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں..... اور فریق لاہور کا عقیدہ ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ ہاں مجدد اور مسیح اُمت کو رد کرنا یا اس کی مخالفت کرنا قابلِ مواخذہ ضرور ہے۔ بلکہ اس کا ساتھ نہ دینا اور خاموشی سے الگ بیٹھے رہنا بھی اسلام کی موجودہ حالت میں عند اللہ قابلِ مواخذہ ہے۔
>
> (مسیح موعود اور ختم نبوت
> مؤلفہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری)

دونوں فریقوں میں بحث

ساٹھ برس سے ان دونوں جماعتوں میں یہ بحث جاری ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ کیا تھا۔۔۔۔۔۔ قادیانی جماعت کا دعوےٰ ہے کہ مرزا صاحب مدعی رسالت و نبوت تھے۔ اور لاہوری جماعت کہتی ہے کہ نہیں، ان کا دعوےٰ صرف مجددیت کا تھا۔۔۔۔ آپ غور کیجئے کہ مرزا صاحب کی اوریجنل (ORGINAL) کتابیں (جن کی تعداد کم از کم اسّی بتائی جاتی ہے) ان دونوں فریقوں کے پاس موجود ہیں، اور ان کتابوں سے ساٹھ برس کی مدت میں یہ فیصلہ نہیں ہو پایا کہ مرزا صاحب کا دعوےٰ کیا تھا؟ اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ حدیث کی کتابیں مداری کا پٹارہ ہیں جن سے جو کسی کے جی میں آئے نکالا جا سکتا ہے۔ مرزا صاحب کی کتابیں اس سے بھی بڑا پٹارہ ہیں، جن سے ہر فریق اپنے اپنے دعوےٰ کی تائید میں جو چاہے نکال لیتا ہے (مثلاً) مرزا صاحب نے اپنے لئے سینکڑوں، ہزاروں مرتبہ نبی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لاہوری جماعت کہتی ہے کہ انہوں نے (مرزا صاحب نے) مولوی عبدالحکیم صاحب کے ساتھ مباحثہ کے بعد جو راضی نامہ کیا تھا، اس میں لکھ دیا تھا کہ

> بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ نبی کو کاٹا ہوا خیال فرمائیں۔

اس کے جواب میں قادیانی حضرات کہتے ہیں کہ:۔

> (آپ لوگ) حضرت صاحب کے جس منسوخ در منسوخ معاہدہ کا سہارا لینا چاہتے ہیں وہ فروری ۱۸۹۲ء کا ہے اور اس میں بھی مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کی خاطر یہی الفاظ لکھے گئے تھے کہ وہ کاٹا ہوا خیال کر لیں۔ مگر اس کے بعد حضرت اقدس کو بار بار بارش کی طرح وحی میں نبی اور رسول کہا گیا، تو پھر آپ نے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کی پرواہ اتنی بھی نہیں کی کہ اپنے سابقہ اعلان کا عملی طور پر اعادہ فرما دیں۔ بلکہ کثرت سے نبی اور رسول کے الفاظ کا استعمال فرمایا۔
>
> (قادیانی اخبار فاروق ۲۸، فروری ۱۹۳۵ء)

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، مرزا صاحب اپنے دعاوی کی سیڑھیوں پر درجہ بدرجہ چڑھتے گئے، اس لئے ان کی کتابوں میں مختلف دعاوی پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میاں محمود صاحب رقم طراز ہیں۔

> غرضیکہ مذکورہ بالا حوالہ سے صاف ثابت ہے کہ تریاق القلوب کی اشاعت تک (جو کہ اگست ۱۸۹۹ء سے شروع ہوئی اور اگست ۱۹۰۲ء میں ختم ہوئی) آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ آپ کو حضرت مسیح پر جزوی فضیلت ہے اور آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کی جزوی نبوت ہے اور ناقص نبوت لیکن بعد میں...... آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک شان میں مسیح سے افضل ہیں اور کسی جزوی نبوت کے پانے والے نہیں بلکہ نبی ہیں ہاں ایسے نبی کہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے نبوت ملی پس ۱۹۰۲ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہو سکتا۔ (القول الفصل ص۲۴ مصنفہ میاں محمود احمد صاحب)

ان دونوں جماعتوں میں بحث کا انداز یہی ہوتا ہے۔ لاہوری جماعت ۱۹۰۲ء سے پہلے کے دعاوی کو بطور حجت پیش کرتی ہے اور قادیانی جماعت ۱۹۰۲ء کے بعد کے دعاوی کو۔ اور "بعد کے دعاوی" کے ضمن میں وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی وفات کے تین دن پہلے (یعنی ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کو) ایڈیٹر اخبار عام لاہور کے نام ایک خط میں لکھا تھا (جو اس اخبار کی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا کہ)

> میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر اس سے انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو دنیا سے گذر جاؤں۔

حقیقت یہ ہے کہ لاہوری جماعت کی حالت بڑی قابل رحم ہے۔ ایک طرف وہ قادیانی جماعت سے الجھتی ہے تو وہ مرزا صاحب کی تحریروں کے حوالوں سے انہیں بری طرح گھیر لیتے ہیں۔ دوسری طرف جب یہ "غیر احمدیوں" سے بحث کرتے ہیں تو مرزا صاحب کی تحریروں کی ایسی رکیک اور مضحکہ انگیز تاویلات پیش کرتے ہیں جن پر علم ہنستا اور عقل شرماتی ہے یہ نہ مرزا صاحب کو چھوڑ سکتے ہیں نہ ان کے دعاوی کی صداقت کا کھلے بندوں اقرار و اعلان کر سکتے ان کی کیفیت "سانپ کے منہ میں چھپکلی" کی سی ہے کہ "اگلے تو کوڑھی کہلائے نگلے تو کوڑی ہو۔" ہم (مرزا صاحب کے واضح دعاوی کی موجودگی میں) ان حضرات کی ان تاویلات کو درخور اعتنا نہ قرار دیتے، لیکن ایک تو اس لئے کہ معلومات کی کمی کی وجہ سے عوام ان تاویلات کے دام فریب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے اس لئے کہ ان تاویلات کا مدار ایسی روایات پر ہوتا ہے جس سے ہمارے علماء انکار نہیں کر سکتے۔ اس لئے مناظروں اور مباحثوں میں وہ ان سے مات کھا جاتے ہیں۔ ہم نے مناسب سمجھا ہے

کہ قرآن کریم کی روشنی میں ان کی ان تاویلات کا جائزہ لیا جائے ان میں سے بعض امور کے متعلق اس سے پہلے "اصطلاحات" کے سلسلہ میں بھی گفتگو ہو چکی ہے۔ بایں ہمہ ان کا یہاں تذکرہ بھی ضروری ہے۔[1]

نبی بلا کتاب

لاہوری حضرات جب اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا تھا تو کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، رسول ہونے کا نہیں۔ نبی اور رسول میں فرق یہ ہے کہ رسول صاحب کتاب ہوتا ہے اسے تشریعی نبی کہتے ہیں ــــ اور نبی بلا کتاب۔ اسے غیر تشریعی کہتے ہیں۔ مرزا صاحب بلا کتاب آئے تھے اس لئے صرف نبی تھے۔

اول تو یہی غلط ہے کہ مرزا صاحب نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ رسول ہونے کا نہیں۔ ہم سابقہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے صاحب کتاب، صاحب شریعت نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا تھا دوسرے یہ دعویٰ قرآن کریم کے یکسر خلاف ہے کہ رسولوں کو کتاب ملتی تھی اور نبی بلا کتاب آتے تھے۔ سورۂ حدید میں ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ ـــــ (۵۷/۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان سب کے ساتھ کتاب نازل کی۔

اور سورۂ البقرہ میں ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ .... (۲/۲۱۳)

نوع انسان اُمتِ واحدہ تھے (انہوں نے اختلاف کیا تو) خدا نے انبیاء کو بھیجا جو مبشر اور منذر تھے۔ اور ان سب کے ساتھ کتاب نازل کی حق کے ساتھ۔

آپ دیکھئے۔ سورۂ حدید میں کہا کہ تمام رسولوں کو کتاب دی اور سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ تمام انبیاء کو کتاب دی، اس لئے یہ عقیدہ کہ نبی بلا کتاب آتے تھے قرآن کریم کی کھلی ہوئی مخالفت ہے۔ چونکہ کتاب، نبی اور رسول وغیرہ

---

[1] ہم متعین طور پر نہیں کہہ سکتے کہ ان دعاوی میں سے کون کون سے دعوے "قادیانی" احمدی کرتے ہیں اور کون کون سے "لاہوری احمدی"۔ یہ دعاوی بہرحال "احمدی حضرات" کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔

اصطلاحاتِ قرآنیہ کے متعلق دوسرے باب میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان حضرات کے دو ایک دلائل کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

۱۔ یہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ بیک وقت مبعوث ہوئے اور دونوں نبی تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو تو کتاب دی گئی، لیکن حضرت ہارونؑ کو نہیں دی گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی بلا کتاب بھی آ سکتا ہے اور یہی مرزا صاحب کا دعوےٰ تھا۔

ان حضرات کی یہ دلیل قرآن کریم سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ (۲۱/۴۸)

اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرقان اور ضیاء اور متقین کے لئے ذکر عطا کیا۔

قرآن کریم انبیاء کی کتابوں کو انہی القاب سے پکارتا ہے۔ دوسرے مقام پر اس کی وضاحت کر دی جہاں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا نام لے کر فرمایا کہ

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۚ (۳۷/۱۱۷)

اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں صاحبِ کتاب تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ (جیسا دوسرے باب میں بتایا جا چکا ہے)۔ کتاب کہتے ہی خدا کی وحی کو ہیں۔ اس لئے یہ کہنا ابلہ فریبی ہے کہ نبی بلا کتاب (یعنی بلا وحی) بھی آتا ہے۔

ان کی طرف سے پیش کردہ تیسری دلیل یہ ہوتی ہے کہ سورۂ مائدہ میں ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا ..... (۵/۴۴)

ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ انبیاء جو خدا کے فرمانبردار تھے یہودیوں کے فیصلے اسی کی رُو سے کرتے تھے۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ دیکھئے! یہاں کہا گیا ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل یہودیوں کے فیصلے تورات کے مطابق کرتے تھے۔ اس سے واضح ہے کہ ان انبیاء کی اپنی کتاب کوئی نہیں تھی۔ اور وہ حضرت موسیٰؑ کی کتاب (تورات) کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔

ان کی غلط فہمی یہ ہے کہ یہ توراۃ کو حضرت موسیٰ کی کتاب قرار دیتے ہیں. قرآن کریم نے کہیں بھی توراۃ کو حضرت موسیٰؑ کی کتاب نہیں کہا جیساکہ...... معلوم ہے، جسے بائبل کہا جاتا ہے اس کے دو حصے ہیں. عہدنامہ جدید اور عہدنامہ عتیق. عہدنامہ جدید حضرت عیسیٰؑ کی (مبینہ) تعلیمات پر مشتمل ہے اور عہدنامہ عتیق مختلف انبیاء بنی اسرائیل کی کتابوں کا مجموعہ ہے جن میں حضرت موسیٰؑ کے صرف پانچ صحیفے ہیں. قرآنِ کریم اس تمام مجموعہ (عہدنامہ عتیق) کو توراۃ کہہ کر پکارتا ہے.

اور "صحفِ موسیٰؑ" کا الگ بھی ذکر کرتا ہے (۱۹/۵۳ ؛ ۱۹/۸۷) لہٰذا جہاں کہا گیا ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ توراۃ کی رُو سے کرتے تھے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان امور کا فیصلہ اپنی اپنی کتابوں کے مطابق کرتے تھے، جن کا مجموعہ توراۃ کے نام سے متعارف ہے.

ہمارے ہاں کا عقیدہ

لیکن ہم "احمدی" حضرات سے کیا کہیں، جب خود ہمارے علماء کرام کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ نبی اور رسول میں فرق ہوتا ہے. رسول صاحبِ کتاب ہوتا ہے اور نبی بلا کتاب. علامہ محمد ایوب دہلوی اپنے پمفلٹ " فتنہ انکارِ حدیث " میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا بالاجماع اور بالاتفاق یہ عقیدہ ہے کہ نبی صاحبِ کتاب بھی ہوتا ہے اور بغیر کتاب کے بھی. (ص۱)

ہمارے ہاں بعض (وضعی) روایات بھی ایسی ہیں اور نامور بزرگوں (بالخصوص صوفیاء حضرات کے اقوال بھی جن سے رسول اور نبی، یا تشریعی اور غیر تشریعی نبی میں امتیاز کیا گیا ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے مجلہ طلوعِ اسلام بابت ستمبر ۱۹۶۱ء).

"احمدی حضرات ہمارے علماء سے بحث میں اس قسم کی روایات اور اسلاف کے اقوال پیش کرکے ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب ان دعاوی کی رُو سے (تمہارے نزدیک) مفتری اور کذاب تھے تو فرمائیے! آپ کا ان بزرگوں کے متعلق کیا ارشاد ہے جن کی اقوال اور روایات ہم پیش کر رہے ہیں! اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا. اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ حق اور باطل، غلط اور صحیح کا معیار خدا کی کتاب ہے. جو عقیدہ، جو قول، قرآن کے خلاف ہوگا وہ باطل ہے، خواہ اس کی نسبت کسی کی طرف بھی کیوں نہ کردی جائے قرآنِ کریم کا واضح ارشاد ہے کہ نبوت کی مختلف قسمیں نہیں ہوتیں. نہ ہی نبیوں میں اس قسم کی تفریق ہوتی ہے

کہ بعض صاحب کتاب (تشریعی) ہوتے ہیں اور بعض بلا کتاب (غیر تشریعی) اس قسم کے عقائد قرآن کی تعلیم کے خلاف ہیں. نبوت حضور رسالتمآبؐ کی ذاتِ اقدس پر ختم ہوگئی. اس کے بعد دعویٰ نبوت کذب و افتریٰ ہے.

غیر نبی کی طرف وحی

جب ان حضرات سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے وحی کا بھی دعوے کیا ہے تو ان کا جواب ہوتا ہے کہ نبیوں کے علاوہ اوروں پر وحی نازل ہونا بھی قرآن سے ثابت ہے اور اس کی تائید میں قرآن کریم کی دو آیات پیش کرتے ہیں.

(۱) وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ..... (۲۸/۷)

ہم نے اُمِّ موسےٰ کی طرف حکم بھیجا کہ وہ بچے کو دودھ پلائے.

(۲) وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ (۵/۱۱۱)

اور جب ہم نے (حضرت عیسیٰؑ کے) حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں.

ہم نے دوسرے باب میں وحی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے واضح ہے کہ وحی کے ایک معنی تو اصطلاحی ہیں جس سے مراد ہے کہ خدا کی طرف سے کسی رسول کو کوئی حکم ملنا. اور اس کے لغوی معانی ہیں اپنے ایلچی کی معرفت کسی کی طرف کوئی پیغام بھیجنا. مذکورہ دونوں آیات میں اَوْحَيْنَا کے ہی لغوی معنی مقصود ہیں. یعنی خدا نے اپنے کسی پیغامبر (یعنی کسی رسول) کی معرفت حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرف یہ حکم بھیجا. یا حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرف حضرت عیسیٰؑ کی وساطت سے یہ حکم بھیجا. قرآنِ کریم کی رُو سے کسی غیر از نبی کو خدا کی طرف سے وحی ملنے کا ثبوت نہیں مل سکتا. لہٰذا یہ دعویٰ باطل ہے کہ غیر از نبی کی طرف بھی وحی نازل ہو سکتی ہے. وحی آخری بار حضور نبیِ اکرمؐ کو ملی اور اس کے بعد اس کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگیا. اسی کو ختم نبوت کہتے ہیں.

خُدا سے ہمکلامی

ان حضرات کا کہنا ہے کہ وحیِ نبوت تو بند ہو چکی ہے لیکن خدا سے ہمکلامی کا سلسلہ جاری ہے. اس کے لئے (یہ حضرات) دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہمکلامی فیضانِ خداوندی ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا. یہ محض

لفاظی ہے جس کی دین میں کوئی حقیقت نہیں...... اس کی تائید میں بھی یہ حضرات بعض صوفیا کے اقوال پیش کر دیتے ہیں لیکن جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے' دین میں سند خدا کی کتاب ہے۔ اور کتاب اللہ کی رُو سے خدا کا کلام اس کی وحی ہے جو اب قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس نے قرآن کریم کو کلام اللہ کہہ کر پکارا ہے (۹/۶، ۴۶/۱۵)۔ جب ہم قرآن کریم پڑھتے ہیں تو خدا ہم سے ہمکلام ہو رہا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ کونسی ہمکلامی ہے جس کی ضرورت باقی ہے۔ قرآن کریم نے جب اپنے آپ کو مکمل اور غیر متبدّل کہا تو اس سے مراد یہی تھی کہ اب مزید ہمکلامی کی ضرورت نہیں رہی۔ اس نے کہا تھا کہ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ط (۶/۱۱۶) تیرے خدا کا کلام (کلمات اللہ) صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گیا" لیکن ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ ہمکلامی کو قرآن تک محدود رکھا جائے تو" دنیا کے لئے کوئی روحانی غذا باقی نہیں رہے گی"۔ (معاذ اللہ۔ استغفراللہ!) اس کا مطلب واضح ہے کہ ان حضرات کے نزدیک' قرآن دنیا کے لئے کافی روحانی غذا مہیا نہیں کرتا۔ مخالفین عرب کا بھی کچھ اسی قسم کا خیال تھا جس کی تردید کے لئے کہا کہ:۔

اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۲۹/۵۱

کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی جسے ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

انہوں نے تو اس کا جو جواب دیا ہوگا' دیا ہوگا' یہ حضرات چھاتی پر ہاتھ مار کر کہتے ہیں کہ ہاں! یہ کتاب دنیا کی روحانی غذا کے لئے کافی نہیں۔ اس کی کو پورا کرنے کے لئے ہمکلامی کے سلسلہ کا جاری رہنا ضروری ہے۔ (پناہ خدا) ایسے ہی ہیں وہ لوگ جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (۳۹/۴۵)

جب ان کے سامنے اکیلے خدا کی بات کی جاتی ہے تو یہ لوگ جو آخرت کے منکر ہیں' ان کا منہ سوج جاتا ہے اور دلوں میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس کے علاوہ دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ" دوسرے" وہی ہیں جن کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا سے ہمکلام ہوتے ہیں۔

پیشگوئیاں

یہ حضرات، مرزا صاحب کے دعویٰ ہمکلامی کے ثبوت میں ان کی پیشگوئیاں سامنے لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قدر پیشگوئیاں کرنا، خدا سے علم پائے بغیر کس طرح ممکن تھا۔ آئیے دیکھیں کہ پیشگوئی کے متعلق قرآن کریم کیا کہتا ہے۔

پیش گوئی کے معنی ہیں کسی واقعہ کے ظہور سے پہلے اس کے متعلق بتا دینا۔ اسے علم غیب کہا جاتا ہے اور علم غیب کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ

اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ.... (۱۰/۲۰)

غیب کا علم صرف خدا کو حاصل ہے۔ کسی اور کو نہیں۔

اس کی تشریح میں دوسری جگہ کہا ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (۲۷/۶۵)

(اے رسول!) اس کا اعلان کر دو کہ خدا کے سوا کائنات میں غیب کا علم کسی کو حاصل نہیں۔

حتیٰ کہ رسولوں کو بھی از خود اس کا علم نہیں ہوتا تھا۔ حضورؐ کی زبان مبارک سے قرآن میں کہا گیا ہے کہ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ (۶/۵۰) "غیب کا علم میں بھی نہیں جانتا"۔ البتہ جس باب کے متعلق خدا چاہتا، وحی کے ذریعے اپنے رسولوں کو مطلع کر دیتا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (۳/۱۷۹)

خدا تمہیں غیب کی باتیں نہیں بتاتا۔ البتہ وہ اپنے رسولوں میں سے اپنی مشیت کے مطابق اس کے لئے چن لیتا ہے۔

دوسری جگہ ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ .... (۷۲/۲۶-۲۷)

عالم الغیب صرف خدا ہے۔ وہ اپنے علم غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا بجز اس کے کہ اپنے رسول

کو اس امر کے لئے منتخب کرے۔
رسول کو غیب کی باتیں بذریعہ وحی بتائی جاتی تھیں چنانچہ نبی اکرمؐ کو جن امورِ غیب پر مطلع کیا گیا ان کے ساتھ واضح کر دیا گیا کہ

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (۳/۴۴، ۱۲/۱۰۲)

یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے۔
چونکہ وحی کا سلسلہ حضور نبی اکرمؐ کی ذات پر ختم ہو گیا اس لئے اب علم غیب کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا اسی لئے قرآن کریم میں حتمی طور پر کہہ دیا گیا کہ

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (۳۱/۳۴)

کوئی شخص یہ نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا نہ ہی یہ کہ اس کی موت کہاں واقعہ ہو گی۔
قرآن کریم کی ان تصریحات کی روشنی میں واضح ہے کہ اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں کل (مستقبل) کا علم رکھتا ہوں (اسی کو پیشگوئی کہتے ہیں)..... تو وہ یا تو رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے (کیونکہ قرآن نے کہا ہے کہ غیب کا علم صرف رسولوں کو دیا جاتا ہے) اور یا وہ (معاذ اللہ) خدا کو چیلنج دیتا ہے کہ تم تو کہتے تھے کہ کوئی شخص کل کی بات نہیں جان سکتا، دیکھو، میں کس طرح آنے والے کل ہی کی نہیں، برسوں بعد کی باتیں بھی بتاتا ہوں[1]۔ قادیانی حضرات عجیب مخمصہ میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ مرزا صاحب کو رسول بھی نہیں مانتے اور انہیں غیب کے علم (پیشگوئیوں) کا مدعی بھی کہتے ہیں۔ یہ اس کے لئے عجیب دلیل پیش کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (۴۱/۳۰)

جن لوگوں نے کہہ دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اپنے اس ایمان پر جم کر کھڑے ہو گئے تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے (جو ان سے کہتے ہیں کہ) تم مت خوف کھاؤ، مت گھبراؤ اور اس جنت

---

[1] یہ جو منجم وغیرہ پیشگوئیاں کرتے رہتے ہیں تو یہ محض قیاس آرائیاں ہوتی ہیں جن میں سے بعض اتفاقیہ سچی بھی نکل آتی ہیں قرآن جس علمِ غیب کا ذکر کرتا ہے وہ قطعی حتمی اور یقینی ہوتا ہے۔

کی خوشخبری تو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔
یہ حضرات کہتے ہیں کہ دیکھئے اس آیت میں خدا کے مخلص بندوں پر ملائکہ کے نازل ہونے اور انہیں بشارت دینے کا ذکر موجود ہے۔

یہی بشارات (مبشرات) ہیں جو پیشگوئیاں کہلاتی ہیں۔

ملائکہ کی ہستی ان مابعد الطبیعاتی حقائق سے ہے جن کی کنہ و ماہیت کے متعلق ہم کچھ نہیں جان سکتے۔ قرآن کریم نے ان کے افعال و خصائص کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے۔ (مثال کے طور پر) وہ جہاں مومنین کے لئے جنت کی بشارت کا ذکر کرتا ہے، وہاں کفار کے متعلق کہا ہے کہ

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ (۸/۵۰)

اگر تو اس منظر کو دیکھ سکتا جب ملائکہ کفار کو وفات دیتے ہیں اور ان کے چہروں اور پیٹھ پر (سخت مار) مارتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم جلا دینے والے عذاب کا مزہ چکھو۔

مرنے والے کفار، ہمارے سامنے ہوتے ہیں لیکن ملائکہ ان کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں" ہمیں وہ بالکل نظر نہیں آتا نہ ہی قریب المرگ اس کی کوئی شہادت دیتا ہے۔ اس قسم کی آیات میں قرآن کریم غیر مرئی کیفیات کا اظہار کرتا ہے۔ ان سے ہمارے لئے اتنا ہی سمجھنا کافی ہے کہ ایمان و استقامت کا نتیجہ خوف و حزن سے مامونیت اور جنت کی زندگی ہے اور کفر کا نتیجہ ذلت و خواری اور جہنم کا عذاب۔

پھر آیت (۴۱/۳۰) میں اتنا ہی کہا گیا ہے کہ ملائکہ ان مومنین کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہا گیا کہ وہ انہیں غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ اس بشارت (خوشخبری) سے نفسیاتی تغیر مقصود نظر آتا ہے کیونکہ دیگر آیات میں جہاں کہا گیا ہے کہ خدا نے (بدر وغیرہ کے میدانوں میں) اسلامی لشکروں کی ملائکہ کے ذریعے مدد کی، تو وہاں کہا گیا ہے کہ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ (۳/۱۲۶) اس (نزولِ ملائکہ) کو تمہارے لئے خوشخبری اور "اطمینانِ قلب" کا موجب بنایا اور دوسری طرف مخالفین کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالنے کا باعث (۸/۱۲) یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ ملائکہ آکر غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے غیب کی خبریں صرف وحی کے ذریعے رسولوں کو ملا کرتی تھیں۔ مرزا صاحب کو اس کا علم تھا اس لئے ان کا کبھی یہی دعوے تھا کہ انہیں یہ خبریں بذریعہ وحی ملتی ہیں۔ انہوں نے ان پیشگوئیوں

کے متعلق کہا تھا۔

میرے پر خدائے تعالیٰ نے ظاہر کیا تھا سخت بارشیں ہوں گی اور گھروں میں ندیاں چلیں گی اور اس کے بعد سخت زلزلے آئیں گے۔ چنانچہ ان بارشوں سے پہلے وہ وحی الٰہی 'بدر' اور 'الحکم' میں شائع کر دی گئی تھی۔ (حقیقتہ الوحی ص ۳۶۴)

اسے ایک بار پھر سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ علم غیب رسولوں کو بذریعہ وحی ملتا تھا۔ اس لئے اگر مرزا صاحب کو یہ علم بذریعہ وحی ملتا تھا تو ان کا دعوے رسالت کا تھا۔

منعم علیہ

مرزا صاحب کے دعوے نبوت کی تائید میں (قادیانی حضرات کی طرف سے بالخصوص) ایک دلیل یہ بھی دی جاتی تھی کہ سورۂ فاتحہ میں مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (۱/۵-۶) "دکھا ہم کو سیدھی راہ۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تُو نے اپنا انعام کیا"۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ سورۃ النساء میں ہے۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ (۴/۶۹)

اور جو خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یہ لوگ ان کے ساتھی ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین۔

یہ حضرات (اس آیت کا اتنا حصہ پیش کرنے کے بعد) کہتے ہیں کہ دیکھئے! یہاں یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ انبیاء کے ساتھ (مع النبیین) ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت سے انسان، نبیوں کے زمرے میں شامل ہو سکتا ہے (مرزا محمود صاحب نے تفسیر صغیر میں اس آیت کے ترجمہ میں کہا ہے۔" وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے") یعنی وہ نبی بھی بن سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں ذیل کے نکات غور طلب ہیں۔

۱۔ جیسا کہ ہم پہلے باب میں صراحت سے بتا چکے ہیں، نبوت، اکتسابی ملکہ نہیں جو انسان اپنی سعی و کاوش

(اطاعتِ خدا اور رسول) سے حاصل کر سکے۔ یہ خالصتہً وہبی عطیہ تھا جسے خدا اپنی مشیت کے مطابق منتخب افراد کو عطا کرتا تھا۔ (۶/۱۲۴؛ ۱۲/۱۱)

۲۔ اس آیت میں ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے انبیاء، صدیق، شہداء، صالحین کی معیت میں ہوں گے۔ اور اس کی وضاحت آیت کے آخری حصہ نے یہ کہہ کر کر دی کہ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا ۝ (۴/۶۹) "اور یہ لوگ کیسے اچھے رفیق ہوں گے"۔ اس سے واضح ہے کہ ان لوگوں کو انبیاء کی رفاقت نصیب ہوگی۔ یہ نہیں کہ یہ خود بھی نبی بن جائیں گے۔ ختمِ نبوت کے بعد انسان، مومن، صدیق، شہید، صالح وغیرہ تو بن سکتا ہے، نبی نہیں بن سکتا۔ نبی تو کوئی شخص پہلے بھی اپنی کوشش سے نہیں بن سکتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے نبی بنایا جاتا تھا۔ ختمِ نبوت کے بعد اس کا امکان بھی ختم ہو گیا۔

۳۔ اگر انبیاء کی معیت (ساتھ ہونے) سے انسان خود بھی نبی بن جاتا ہے، تو قرآنِ کریم میں ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ ..... (۴۸/۲۹)

محمد رسول اللہ اور جو لوگ اس کے ساتھ (معہ) تھے (ان کی خصوصیات یہ تھیں)

ان حضرات کی اس دلیل کی رو سے (کہ جو کسی کے ساتھ ہو وہ خود وہی کچھ بن جاتا ہے) یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام صحابہؓ (وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کے زمرہ میں آنے کی وجہ سے) انبیاء تھے۔ کیا یہ حضرات ایسا ماننے کے لئے تیار ہیں؟

جماعتِ مومنین کی یہ دعا کہ ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھا جن پر تو نے اپنا انعام کیا، اس سے مراد یہ ہے کہ ہم ان کی رفاقت میں یہ سفر طے کریں۔ انہی کے نقوشِ قدم پر چلتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچیں یہ وہی رفاقت ہے جس سے محروم انسانوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ (۲۵/۲۷)

اس دن ظالم اپنی انگلیاں کاٹیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم نے بھی رسول کی رفاقت میں سفرِ زندگی طے کیا ہوتا؛ ہم نے بھی وہی راستہ اختیار کیا ہوتا جسے رسول نے بتایا اور اختیار کیا تھا۔

۴۔ اور آخری بات یہ کہ اگر کسی کی "معیت" سے انسان خود بھی وہی کچھ بن جاتا ہے، تو قرآنِ کریم میں متعدد

مقامات پہ آیا ہے کہ اِنَّ اللہَ مَعَ الصَّابِرِینَ یا اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُتَّقِینَ تو (ان حضرات کی دلیل کی رُو سے) صابرین اور متقین کو خدا بن جانا چاہیئے!

آپ دیکھتے ہیں کہ یہ حضرات (اپنے دلائل میں) کس طرح تنکوں کے پُل بناتے ہیں اور اس پر سے ہاتھی گذارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محدثیت

مرزا صاحب نے شروع میں کہا تھا کہ میرا دعویٰ نبوت کا نہیں، محدثیت کا ہے۔ لاہوری حضرات اسے بڑی شدّومد سے پیش کرتے ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ اس دعوے کا پس منظر کیا ہے اور اس کی بنیاد کیا ہے۔ میں نے اس بحث کو اپنی کتاب "شاہکارِ رسالت" (کے آخری باب) میں بڑی شرح و بسط سے لکھا ہے۔

قرآن کریم میں محدّث کا لفظ تک بھی نہیں آیا۔ جب مرزا صاحب پر یہ اعتراض کیا گیا کہ محدّث کا کوئی ذکر قرآنِ کریم میں نہیں۔ آپ یہ دعویٰ کیسے کرتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا۔

> آپ لوگ کیوں قرآن شریف میں غور نہیں کرتے اور کیوں سوچنے کے وقت غلطی کھا جاتے ہیں۔ کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس اُمت میں بھی پہلی اُمتوں کی طرح محدّث پیدا ہوں گے اور محدّث بفتحِ دال وہ لوگ ہیں جن سے مکالمات و مخاطباتِ الٰہیہ ہوتے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ ابن عباس کی قرأت میں آیا ہے۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث (آخر تک) پس اس آیت کی رُو سے بھی جس کو بخاری نے بھی لکھا ہے محدّث کا الہام یقینی اور قطعی ثابت ہوتا ہے جس میں دخل شیطان کا قائم نہیں رہ سکتا۔
>
> (براہینِ احمدیہ، شائع کردہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، لاہور صفحہ ۲۴۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۴)

آپ نے غور فرمایا کہ مرزا صاحب اپنے دعوے کی تائید میں کون سی آیت پیش کرتے ہیں۔ وہ نہیں جو ...... اس

قرآن مجید میں ہے جو مسلمانوں میں مروج ہے اور جس کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ وہ حرفاً حرفاً وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو دیا اور رسول اللہ نے اُمت کو بلکہ "قرأت ابن عباس" والی آیت.

میں نے جب (اپنے ایک مقالہ شائع شدہ طلوعِ اسلام بابت جنوری ۱۹۷۴ء میں) "احمدی" حضرات کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ مرزا صاحب اپنے دعوے کی تائید میں ایسی سند پیش کر رہے ہیں جو بالبداہت وضعی ہے اور جس سے قرآن مجید کا محرّف ہونا ثابت ہو جاتا ہے، تو لاہوری جماعت کے ترجمان ــــ پیغامِ صُلح ــــ نے اپنی اشاعت بابت ۲۳ جنوری ۱۹۷۴ء میں اس کے جواب میں کہا کہ جسے "اختلافِ قرأت" کہا جاتا ہے اس سے درحقیقت مراد" ان آیات کی تعبیر و تفسیر ہے" قرأت ابن عباسؓ سے مفہوم یہ ہے کہ اس قرأت کے مطابق محدث کے معنی نبی بھی اس آیت سے نکل سکتے ہیں"

یہ جواب اس قدر خلافِ حقیقت اور فریب انگیز تھا کہ مجھے اس کی تردید میں ایک مبسوط مقالہ لکھنا پڑا جو طلوعِ اسلام بابت مارچ ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر میں اس میں سے دو ایک اقتباسات یہاں درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں میں نے اس میں لکھا تھا کہ

عربی زبان کا ایک ابجد خوان بھی اس حقیقت سے واقف ہو گا کہ "قرأت" کے معنی "تفسیر و تعبیر" نہیں، اس کے معنی "پڑھنا" ہیں. جب "قرأت ابن عباسؓ" کہا جائے گا تو اس سے مراد ہو گا کہ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے اور جس طرح وہ اس آیت کو پڑھا کرتے تھے اسی طرح یہ ان کے مصحف میں درج تھی. حضرت ابنِ عباسؓ کی تفسیری روایات الگ ہیں اور ان کی طرف منسوب کردہ مصحف (قرآنی نسخہ) الگ. ان کی تفسیر میں نہیں، بلکہ ان کی طرف منسوب کردہ مصحف میں زیرِ بحث آیت لفظ محدث کے اضافہ کے ساتھ درج ہے. لہٰذا اسے "تفسیر" کہنا دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے. "قرأت" کا لفظ، قرآن کریم میں (بصیغۂ فعل) اور کتبِ احادیث میں "پڑھنے" کے معنوں میں آیا ہے. بخاری میں "مدالقرأت" ایک باب ہے جس میں "قرأت رسول اللہ" کے تحت لکھا ہے کہ حضورؐ قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر اور الفاظ کو کھینچ کر پڑھا کرتے تھے. بخاری (کتاب فضائلِ قرآن) میں حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ایک روایت ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ

میں نے ہشام بن حکیم (ابن حزام) کو رسول اللہ کی زندگی میں سورۂ فرقان پڑھتے سنا "فاستمعت لقرأته" میں نے ان کا پڑھنا (قرأت) سنا تو وہ بہت سے ایسے الفاظ پڑھ رہے تھے جو مجھے

رسول اللہ نے نہیں پڑھائے تھے......

ان تصریحات سے واضح ہے کہ "قرأت" کے معنی "پڑھنا" تھا۔ تفسیر یا مفہوم نہیں۔ ویسے بھی قرآنی آیت وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي...... (۲۲/۵۲) کے متعلق کہنا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي ولا محدث..... قرآن کریم سے (معاذاللہ) مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن کریم نے "رسول اور نبی" کہا ہے۔ ان میں سے کون سا لفظ ہے جس کا مفہوم "محدث" ہے؟ اور اگر یہ تفسیر ہے تو پھر اضافہ کسے کہتے ہیں؟

اس کے بعد میں نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کردہ اختلاف قرأت کی ایک مثال پیش کی جس میں میں نے لکھا تھا۔

"مرد عورت کے جنسی تعلقات کے سلسلہ میں قرآن کریم (سورۃ النساء) میں ان رشتوں کی تفصیل دینے کے بعد جن سے نکاح حرام ہے کہا گیا ہے۔

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ........ (۴/۲۴)

اور جو اس کے سوا ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس طرح کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ساتھ چاہو نکاح میں لا کر نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔ سو تم ان میں سے جس کے ساتھ نفع اٹھانا چاہو تو انہیں ان کے مقرر کردہ مہر دے دو۔ (ترجمہ مولانا محمد علی لاہوری)

سنیوں کے ہاں اس معاہدہ کا نام ہے نکاح جو مہر ادا کر کے دائمی طور پر کیا جاتا ہے اور جو موت یا طلاق سے فسخ ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس شیعہ حضرات متعہ کے قائل ہیں جس میں ایک مرد اور ایک عورت ایک مدت معینہ کے لئے مباشرت کا معاملہ طے کر لیتے ہیں اور اس کے لئے اس عورت کو جنسی تعلق کا معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔ سنیوں کے ہاں متعہ حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد آگے بڑھئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سنیوں کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی قرأت (مصحف) میں مندرجہ بالا آیت یوں آئی ہے۔

فاستمتعتم به منهن إلى اجل مسمى۔ تم ان سے ایک مدت معینہ کے لئے فائدہ اٹھاؤ۔

یعنی اس قرأت کی رُو سے آیت قرآنی میں " الی اجلٍ مسمّٰی " کا اضافہ کیا گیا ہے جس سے مُتعہ کی سند مل جاتی ہے۔ اب دیکھئے کہ اس اضافہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کیا فرماتے ہیں۔ سنیوں کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تفسیر، تفسیر طبری ہے۔ وہ اس آیت (۴/۲۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

> ابو نضرہ کی روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے متعہ کے متعلق دریافت کیا انہوں نے کہا کہ کیا تم سورۃ النساء کی تلاوت نہیں کرتے۔ میں نے کہا، کیوں نہیں۔ کہا، پھر اس میں یہ آیت نہیں پڑھا کرتے کہ فما استمتعتم بہ منھن الی اجلٍ مسمّٰی........
> میں نے کہا، نہیں۔ میں اگر اس طرح پڑھتا ہوتا تو آپ سے دریافت کیوں کرتا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اصلی آیت یونہی ہے۔ عبدالاعلیٰ کی روایت میں بھی ابونضر سے اسی طرح کا واقعہ منقول ہے۔ تیسری روایت میں بھی ابونضرہ سے نقل ہے کہ میں نے ابنِ عباسؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی فما استمتعتم بہ منھن۔ ابنِ عباسؓ نے کہا، الی اجلٍ مسمّٰی۔ میں نے کہا، میں تو اس طرح نہیں پڑھتا۔ انہوں نے تین مرتبہ کہا "خدا کی قسم! خدا نے اسی طرح نازل کیا ہے"۔

ہم ان حضرات سے پوچھتے ہیں کہ کیا اب بھی یہ بات آپ کی سمجھ میں آئی ہے یا نہیں کہ " اختلافِ قرأت " سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کے بعد بھی آپ فرمائیں گے کہ اختلافِ قرأت سے مراد تفسیر اور مفہوم کا اختلاف ہے؟ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! خدا نے اس آیت کو نازل ہی اس طرح کیا تھا جس طرح میں پڑھتا ہوں نہ کہ اس طرح جس طرح یہ قرآن مجید میں درج ہے"۔

ان اعتراضات کے جواب میں " احمدی " حضرات کہتے ہیں کہ جب اختلافِ قرأت کو آپ کے علماء کرام بھی مانتے ہیں تو اس سلسلہ میں مرزا صاحب پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ نہیں کہ ہمارے ہاں کے علماء کیا مانتے ہیں اور کیا نہیں۔ سوال غور طلب یہ ہے کہ ایک شخص (مرزا صاحب) دعوٰی کرتا ہے کہ وہ مامور من اللہ ہے وہ خدا سے براہِ راست علم حاصل کرتا ہے اور مبعوث اس لئے ہوا ہے کہ مسلمانوں میں جو غلط حقائق رائج ہو گئے ہیں، ان کی اصلاح کرے اور اس کی حالت یہ ہے کہ خود اپنے دعوٰئے ماموریت کی سند ایک ایسی روایت سے پیش کرتا ہے جو بدیہی طور پر وضعی ہے اور جس کے صحیح ماننے سے قرآن کریم محرّف ثابت ہو جاتا ہے۔

اب آگے چلئے :-

مہدی یا امام آخرالزماں

مرزا صاحب کا دعویٰ مہدی یا امام آخرالزماں ہونے کا بھی ہے، یہ دونوں اصطلاحات بنیادی طور پر شیعہ (امامیہ) حضرات کی ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے بارہویں امام، عراق کے ایک غار میں چھُپ گئے تھے۔ اور اب قیامت کے قریب وہ وہاں سے باہر تشریف لائیں گے۔ انہیں وہ امام مہدی یا امام آخرالزماں کہہ کر پکارتے ہیں۔

اور یہی عقیدہ خود سنیوں کے ہاں بھی چلا آ رہا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ان کے تصور کے امام مہدیؑ عراق کے غار سے نمودار نہیں ہوں گے (کیونکہ وہ تو شیعہ ہوں گے) ان کا ظہور ویسے ہی ہوگا۔ مرزا صاحب نے دعوےٰ کیا کہ وہ امام مَیں ہوں۔ "ایک آنے والے" کے عقیدہ کے متعلق ہم (دوسرے باب میں) لکھ چکے ہیں، اس لئے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ عقیدہ دنیا کی ہر مذہبی قوم میں چلا آ رہا تھا۔ قرآن کریم نے حضورؐ نبیؐ اکرمؐ کو "آخری آنے والا" قرار دے کر اس عقیدہ کو ختم کر دیا۔ "ختمِ نبوت" سے یہی مراد ہے کہ اب کسی "آنے والے" کا انتظار نہ کرو۔ وہ آنے والا آ چکا ہے۔ "مہدی" کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ کی تائید میں کہا ہے۔

> بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی کہ ھذا خلیفۃ اللہ المھدی
> اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد از کتاب اللہ ہے۔　　　(شہادت القرآن صلا)

اور (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) بخاری میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا۔ کتنا بڑا فریب ہے جو عوام کو دیا گیا ہے اور کس قسم کا سفید جھوٹ جو دھڑلے سے بولا گیا۔ یہ ہے ان کے دعویٰ مہدویت کی حقیقت!

مہدی سوڈانی

(ضمناً) انہی ایام، سوڈان کے ایک درویش نے بھی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کے اس دعوے

کے سلسلہ میں سید جمال الدین افغانیؒ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب سید صاحب کی ملاقات درویش سوڈانی سے ہوئی تو انہوں نے اسے انگریز کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ درویش اس جہاد کی اہمیت کا تو قائل ہے لیکن اس کے باوجود اس پروگرام کو اختیار کرنے سے ہچکچاتا ہے۔ سید صاحب نے جب اصرار کیا کہ وہ متذبذب کیوں ہے، تو اس نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ بات یہ ہے کہ سوڈانیوں کو ایک مدت سے یہ کہہ کر فریب دیا جا رہا ہے کہ جب تک امام مہدی کا ظہور نہ ہو، جہاد حرام ہے۔ یہ بات وہ پچاس برسوں سے ہمارے آباء و اجداد سے سنتے چلے آ رہے ہیں۔ بار بار کے اعادہ نے یہ امر ان کے عقائد کا جزو بنا دیا ہے کہ امام مہدی کے ظہور سے پہلے جہاد حرام ہے۔ اب اگر ان سے کہا جائے کہ تم میدانِ کارزار میں کود پڑو تو وہ سب سے پہلے یہ سوال کریں گے کہ امامِ آخر الزماں کہاں ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو جہاد کی وجہ جواز کیا ہے؟ اور اگر ظہورِ امام سے پہلے جہاد جائز ہے تو ہمیں اتنے عرصہ سے دھوکا کیوں دیا جا رہا ہے۔ بتایئے ان سوالات کا جواب کیا ہے۔

یہ سن کر سید صاحب نے کہا کہ اگر بات اتنی ہی ہے تو پھر اس مشکل کا حل بڑا آسان ہے۔ ان تمام سوالات کا جواب یہ ہے کہ تم خود مہدیؑ بن جاؤ۔

چنانچہ درویش سوڈانی نے مہدی بن کر انگریز کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ وہ اگرچہ اس وقت انگریز کو ملک سے نکال تو نہ سکے۔ لیکن اس کے قصرِ حکومت میں تزلزل پیدا کر دیا۔ اس سے انگریز کے دل پر کیا گزری تھی اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب لارڈ کچنر نے سوڈان پر قبضہ کیا ہے تو اس نے تحریکِ مہدویت کے نام لیواؤں کی قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال کر ان کی سخت توہین کی۔ خود مہدی سوڈانی کی قبر کھدوا کر ان کی لاش برآمد کی اور اس کے ٹکڑے کر کے انہیں دریائے نیل میں پھینکوا دیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے بعد خود کچنر کی موت سمندر میں ڈوب جانے سے واقع ہوئی تھی علامہ اقبالؒ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے 'جاوید نامہ میں' روحِ مہدی سوڈانی کی زبانی کہا ہے کہ

لہ مجلّہ "اسلامی تعلیم" بابت جولائی، اگست ۱۹۰۳ء۔

گفت اے کشمیر! اگر داری نظر — انتقامِ خاکِ درویشے نگر
آسماں خاکِ ترا گورے نداد — مرقدے جز در یمِ شورے نداد

مجھے جمال الدین افغانی کی طرف منسوب کردہ اس واقعہ کی صحت وسقم سے بحث نہیں۔ میں کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک دعوائے مہدی سوڈانی نے کیا اور اس سے اس نے انگریز کی حکومت کے خلاف علمِ جہاد بلند کرکے اس کے ایوانِ اقتدار کو متزلزل کردیا۔ اور ایک دعوائے ہمارے ہاں کے مہدی نے کیا جس نے ساری کوششیں انگریزی تسلّط کی جڑیں مضبوط کرنے میں صرف کردیں۔ یہ حضرات مرزا صاحب کے دعوائے مجدّدیت کی تائید میں اکثر امام سرہندیؒ اور شاہ ولیؒ اللہ کا نام لیا کرتے ہیں کہ انہوں نے مجدّد ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ لیکن ایسا کہتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ امام سرہندیؒ نے قید و بند کی صعوبات برداشت کرنا گوارا کرلیا لیکن شہنشاہ اکبر کی تعظیم کے لئے جُھکنا گوارا نہ کیا۔ شاہ ولیؒ اللہ نے جب دیکھا کہ یہاں کفار کی قوتیں مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے درپے ہیں تو انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو بلانے کا اہتمام کیا جس نے مرہٹوں کی قوت کی ریڑھ کی ہڈی تک توڑ دی اور ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید نے داستانِ جہاد کا سرنامہ اپنے درخشندہ خون سے لکھا۔ ایک "مجدّد" وہ تھے اور ایک "مجدّد" یہ ہیں جو نہایت فخر سے کہتے ہیں کہ

> میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانانِ ہند پر اطاعتِ گورنمنٹ برطانیہ فرض اور جہاد حرام ہے۔ (اشتہار مورخہ (۱۰) دسمبر ۱۸۹۴ء)

اور جن کی ساری عمر اپنی جماعت کو یہ تاکید کرتے گزر گئی کہ

> وہ انگریز کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔ (ضرورۃ الامام، صٓ۲۳)

مجدّد

"آنے والے" کے سلسلہ میں ایک عقیدہ مجدّد کا بھی ہے۔ اس عقیدہ کی رُو سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ کی ایک حدیث ہے کہ ہر صدی کے سر پر خدا ایک ایسے مامور کو بھیجتا رہے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔ (اس حدیث

کا بخاری اور مسلم میں جو حدیث کی معتبر ترین کتابیں تسلیم کی جاتی ہیں کہیں ذکر نہیں) اس نظریہ کا وضعی ہونا بالکل بدیہی ہے۔ اس کی رُو سے صورت یوں سامنے آتی ہے کہ سو سال کے عرصہ کے اندر دنیا کتنی ہی خراب کیوں نہ ہوجائے خدا ایسے مصلح کو نہیں بھیجے گا اور سو سال کے بعد خواہ دنیا کی حالت کیسی ہی اچھی کیوں نہ ہو، مجدد آجائے گا۔ اس قسم کی "کیلنڈرانہ" بعثتیں مصلحتِ خداوندی سے بعید ہیں۔

لیکن اس سلسلہ میں اب کسی بحث کی ضرورت ہی نہیں۔ مرزا صاحب نے تیرھویں صدی (ہجری) کے آخر میں مجددیت کا دعویٰ کیا۔ اب چودھویں صدی کا آخر آگیا ہے۔ اس لئے سابقہ مجدد کا زمانہ ختم ہو رہا ہے۔ اب ایک نیا مجدد آنا چاہیئے۔ اس کے آنے پر لاہوری جماعت "احمدیہ" کا سلسلہ خود بخود ختم ہوجائے گا۔

لیکن نہیں! ____ اور یہ حکایت بڑی لذیذ ہے۔

کچھ عرصہ ہوا میں نے اپنے ایک مقالہ میں یہی بات کہی تو اس کے جواب میں انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام، لاہور (یعنی لاہوری جماعت) کے ترجمان، پیغامِ صُلح کی اشاعت بابت ۲۲ جولائی ۱۹۷۸ء کے افتتاحیہ میں کہا گیا:۔

> اس بلند پایہ مجدد کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا زمانہ مجددیت ختم ہوچکا ہے یا ختم ہونے والا ہے اور اب ہمیں نئے مجدد کی تلاش کرنی چاہیئے، صریح زیادتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے تبلیغ دین کے لئے جو جماعت بنائی ہے وہ آپ کے تجدیدی کام کو بحسن و خوبی سرانجام دے رہی ہے اور دیتی رہے گی۔ اس لئے ہمیں ضرورت نہیں کہ کسی نئے مجدد کی تلاش کرتے پھریں۔ جب کوئی نیا مجدد آئے گا تو اس کا وجود اور اس کا نام خود اس کی مجددیت ظاہر کردے گا۔ وہ بھی حضرت مرزا صاحب کا مصداق ہوگا نہ مکذب۔ اس لئے اس کے زمانے کو بھی حضرت مرزا صاحب کا ہی زمانہ سمجھنا چاہیئے۔

یعنی قادیانی جماعت نے مرزا صاحب کی نبوت کو "آخری راہ" قرار دے کر اپنی مداومت (ہمیشگی) پر مہرِ تصدیق ثبت کرلی۔ اور لاہوری جماعت نے مرزا صاحب کی مجددیت کے زمانہ کو لاانتہاہی قرار دے کر اپنے خلود (ہمیشگی) کا جواز پیدا کرلیا! ____ معاذ اللہ۔ دین کے ساتھ کیا مذاق ہو رہا ہے۔

جہاں تک ایک مجدد کے زمانے کا تعلق ہے، پیغامِ صُلح کے اسی افتتاحیہ میں جس کا اوپر اقتباس دیا گیا ہے، مرزا صاحب سے پہلے "مجددین" (حضرت شیخ سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کے بعض اقوال دیئے گئے ہیں۔ لیکن ایسا کرتے وقت یہ حضرات بھول گئے کہ ان اقتباسات کی رُو سے نئے مجدد کے آنے سے سابقہ مجدد کی

بعثت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت شیخ سرہندیؒ کا قول دیا گیا ہے کہ

مجدد آنست کہ ہر چند در آں مدت از فیوض باتماں بہ رسد بتوسط او برسد اگر چہ اقطاب و اوتادِ آں وقت بودند و بدلا و نجبا باشند۔ (مکتوبات ربانی جلد ۲، مکتوب چہارم ص ۱۴-۱۳)

یعنی مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس کے عہدِ مجددیت میں جس قدر فیض لوگوں کو پہنچتا ہے اُسی کی وساطت سے پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ وہ اس زمانے کے قطب اور اوتار یا ابدال اور نجیب بھی کیوں نہ ہوں۔"

اور اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ کی یہ عبارت درج کی گئی ہے۔

میرے رب نے مجھے مطلع فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام مقرر کیا ہے اور اس کی اعلیٰ بلندی تک پہنچایا ہے۔ اور حقیقت قرب کے اور طریقے مسدود کر دیئے ہیں، سوائے ایک طریقہ کے۔ وہ تیری محبت اور تیری فرمانبرداری ہے۔ پس جو شخص تجھ سے عداوت کرے، نہ آسمانی برکات اس پر نازل ہوں گی نہ ارضی برکات کا موجب ہو گا۔ اہل مشرق اور اہل مغرب تیری رعیت ہیں اور تو ان کا بادشاہ ہے۔ خواہ جانیں یا نہ جانیں۔ اگر وہ جان لیں تو کامیاب ہوں گے اور اگر بے خبر رہیں تو خائب و خاسر ہوں گے۔ (تفہیمات الٰہیہ۔ عربی ترجمہ)

یعنی (خود ان حضرات کے بقول) جب نیا مجدد آجاتا ہے تو حقیقتِ قرب کے سابقہ سب راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور اسی ایک کا طریقہ باقی رہ جاتا ہے۔ جو لسے جان لیں وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ جو بے خبر رہیں وہ خائب و خاسر رہیں گے۔ لیکن یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم نئے مجدد کی تلاش کرتے پھریں۔ مجددیت کا فریضہ اب ہماری انجمن سرانجام دے گی۔

دعووں کی تیاریاں

لیکن اب چونکہ صدی کا اختتام ہے اس لئے مجددیت کے دعویداروں نے انگڑائیاں لینی شروع کر دی ہیں (میرے پاس اکثر ان لوگوں کے خطوط آتے رہتے ہیں جن سے بدیہی طور پر نظر آجاتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ نہیں) کل کو جب یہ اپنے دعوے کا اعلان کریں گے تو ان کے ساتھ دھینگا مشتی شروع ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری حالت عجیب ہے۔ ہم نے ایک کرسی بچھا رکھی ہے۔ لیکن جب کوئی اس پر آکر بیٹھتا ہے تو اس سے دھکم پیل شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی اتنا نہیں سوچتا کہ یہ کرسی (جس کی دین میں کوئی سند نہیں)

اٹھا کیوں نہ دی جائے کہ ــــ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ــــ اصل یہ ہے کہ جو قوم "جو ہوتا چلا آ رہا ہے" کو اپنا مسلک قرار دے لیں' ان کے ہاں ایسا ہی کچھ ہوتا ہے۔

اسی "ہوتا چلا آ رہا ہے" سے ہمارے سامنے ایک اور حقیقت آ جاتی ہے۔ "احمدی" حضرات کی ٹیکنیک یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کے کسی ایسے دعوے کے خلاف اعتراض کیا جائے جس کی قرآن سے تو سند نہ ملے لیکن وہ ہمارے ہاں "ہوتا چلا آ رہا ہو" تو یہ حضرات جھٹ سے اسلاف کا مسلک پیش کر دیں گے (جیسے مجددیت کے دعوے کی سند میں' یہ حضرات شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ وغیرہ کا نام پیش کر دیتے ہیں) لیکن اگر مرزا صاحب کا دعوے ایسا ہو' جو اسلاف کے مسلک کے خلاف ہو' تو یہ حضرات کہہ دیں گے کہ یہ اسلاف اپنی فکر و قیاس سے ایسا مانتے تھے۔ اور مرزا صاحب خدا سے علم پا کر دعوے کرتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علم خداوندی کے مقابلہ میں انسانی فکر و قیاس کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ یاد رکھئے! کوئی عقیدہ' نظریہ یا مسلک جو قرآن کے خلاف ہے' غلط ہے' خواہ اس کی نسبت کتنی ہی بڑی شخصیتوں کی طرف کیوں نہ کر دی جائے۔ قرآن مجید نے شخصیتوں کو سند و حجت قرار دینے کی سختی سے مخالفت کی ہے۔ اس نے اسلاف کے مسلک کو بطور سند و حجت پیش کرنے والوں کے متعلق کہا ہے کہ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَآءَنَا ؕ (۲/۱۷۰ ; ۳۱/۲۱) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی کتاب کا اتباع کرو تو یہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو اپنے بزرگوں کے مسلک ہی کا اتباع کریں گے۔ اسلاف کے متعلق اس نے کہا ہے کہ تمہارے لئے اتنا ہی عقیدہ کافی ہے کہ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (۲/۱۳۴ ; ۲/۱۴۱) یہ لوگ اپنے اپنے وقتوں میں دنیا سے چلے گئے۔ ان کے اعمال ان کے لئے تھے تمہارے اعمال تمہارے لئے' ہم تم سے یہ قطعاً نہیں پوچھیں گے کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔ لہٰذا' بزرگوں کا کوئی قول و عمل کتاب اللہ کے مقابلہ میں سند قرار نہیں پا سکتا یہی دین کی اصل بنیاد ہے۔

لیکن اس مقام پر ہم اتنا واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ آپ کشف' الہام' خدا سے ہمکلامی' مجددیت وغیرہ کی جتنی جی چاہے مثالیں پیش کریں ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ جو میرے دعاوی کو نہیں مانتا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ دعویٰ صرف مرزا صاحب نے کیا۔ اسی لئے مرزا صاحب کے دعاوی کی حیثیت' ان حضرات کے دعاوی سے یکسر مختلف ہے جنہیں "احمدی" حضرات مرزا صاحب کے دعاوی

کی تائید میں پیش کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں اور مرزا صاحب میں ایک اور بنیادی فرق ہے جس کا ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔

مسیح موعود

اب ہم مرزا صاحب کے اس دعوے کی طرف آتے ہیں جس کی بنیادوں پر اس تحریک کی پوری کی پوری عمارت اٹھتی ہے۔ یعنی "مسیح موعود" کا دعوے۔ "مسیح موعود" کا یہودی تصور نہ قرآن کریم میں ملتا ہے اور نہ ہی اسلام کے صدر اول میں "آنے والے" کے نظریہ کے متعلق ہم پہلے تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔ اسے ایک نظر پھر دیکھ لینا چاہیئے۔ "مسیح موعود" کا نظریہ سب سے پہلے یہودیوں نے اپنے ایام اسیری میں وضع کیا جب انہیں امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی۔ اس کے بعد اسے عیسائیوں نے اختیار کیا جب کہا کہ حضرت عیسےٰ نے صلیب پر وفات نہیں پائی تھی۔ وہ زندہ آسمان پر اٹھا لیئے گئے تھے اور اب دنیا کے آخری زمانے میں وہ آسمان سے نازل ہوں گے اور عیسائیت کا عالمگیر غلبہ قائم کریں گے۔ وہیں سے اس عقیدہ نے ہماری کتب روایات و تفسیر میں راہ پالی۔ چونکہ اس عقیدہ کی رو سے حضرت عیسٰیؑ کا رتبہ حضور نبی اکرمؐ کے مقابلہ میں برتر ثابت ہوتا تھا (کہ وہ زندہ جاوید آسمانوں پر موجود ہیں اور حضور نبی اکرمؐ وفات پا کر آسودۂ لحد ہیں) اس لئے عیسائیوں نے اسے بہت اچھالا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں حیات و وفاتِ مسیح کا مسئلہ گویا کفر و ایمان کا معیار بن گیا ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس سوال کو اس قدر اہمیت حاصل ہی نہیں۔ قرآن کریم نے ہمیں حضرت عیسٰیؑ کی نبوت پر ایمان لانے کا مکلف ٹھہرایا ہے اور بس۔ (اس مسئلہ پر میں نے اپنی کتاب "شعلۂ مستور" میں تفصیل سے بحث کی ہے)۔

مرزا صاحب نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے اس عقیدہ سے فائدہ اٹھایا اور اپنے آپ کو اس مسیح کی شکل میں پیش کر دیا جس کا مسلمانوں کو انتظار تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ اس دعوے تک پہنچے وہ قابلِ داد ہے۔

شروع میں مرزا صاحب خود حیاتِ حضرت مسیحؑ کے قائل تھے اس کے بعد انہوں نے عقیدہ بدلا اور کہا کہ حضرت عیسٰیؑ زندہ آسمان پر تشریف نہیں لے گئے تھے۔ وہ دیگر انبیاء کرامؑ کی طرح وفات پا گئے تھے

انہوں نے قرآنی آیات سے ثابت کیا، اور چونکہ یہ بات تھی بھی جی کو لگتی ہوئی اس لئے قوم کے دانشور طبقہ نے اسے قبول کر لیا (دراصل سر سیدؒ اس سے پہلے اس عقیدہ کو پیش کر چکے تھے۔ لیکن انہوں نے چونکہ کوئی دعوٰے نہیں کرنا تھا، اس لئے انہوں نے اسے نظری بحث تک محدود رکھا۔ لہٰذا جب مرزا صاحب نے اسی نظریہ کو پیش کیا تو تعلیم یافتہ طبقہ کو اس کے قبول کر لینے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی) وہ دس بارہ سال تک صرف وفاتِ مسیحؑ تک محدود رہے۔ جب مخالف علماء نے کہ احادیث میں تو حضرت عیسیٰؑ کے نزول کا ذکر موجود ہے تو انہوں نے جواب میں کہا کہ :-

> اوّل تو جاننا چاہیئے کہ مسیحؑ کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو، بلکہ صدہا پیشگوئیوں میں سے یہ ایک پیشگوئی ہے جس کو حقیقتِ اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ جس زمانے تک یہ پیشگوئی بیان نہیں کی گئی تھی[1] اس زمانے تک اسلام کچھ ناقص نہیں تھا اور جب بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا۔ (ازالہ اوہام۔ طبع اوّل صفحہ ۱۴۰)

جب "وفاتِ مسیح" کا عقیدہ عام ہو گیا تو پھر مرزا صاحب نے فرمایا کہ میں احادیث کا منکر نہیں۔ ان میں نزولِ مسیح کا جو ذکر آتا ہے، اس پر میرا ایمان ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ :-

> (۱) جب حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ خود دوبارہ دنیا میں نہیں آ سکتے، اس لئے
> (۲) احادیث میں جو نزولِ مسیح کا ذکر ہے تو اس سے مراد یہی ہے کہ وہ آنے والا حضرت مسیحؑ کا مثیل ہو گا، لہٰذا
> (۳) وہ مثیلِ مسیح یا مسیح موعود (یعنی وہ مسیح جس کا حدیثوں میں وعدہ کیا گیا ہے) میں ہوں۔
>
> میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدائے تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیشگوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانے میں ظاہر ہو گا۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹۵)

جب کہا گیا کہ جب آپ اتنے عرصہ تک صرف "وفاتِ مسیح" کا ذکر کرتے رہے، اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ کیوں نہ کہا کہ "حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے ہیں اور آنے والا مسیح میں ہوں"۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ اس زمانے میں مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ وہ آنے والا میں ہوں۔ فرماتے ہیں۔

---

[1] یعنی جب تک مرزا صاحب نے اسے بیان نہیں کیا تھا۔

پھر میں تقریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شدومد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے۔ اور میں حضرت عیسیٰ کے آمد ثانی کے عقیدہ پر جما رہا جب بارہ برس گزر گئے تب وہ وقت آگیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے تب تواتر سے اس بارہ میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص)

مسیح موعود یعنی نبی

اوائل میں میرا عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو اس کو میں جزوی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں خدا کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دے دیا گیا مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹)

یہ "ایک طرح سے نبی اور ایک طرح سے اُمتی" اس لئے کہ احادیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے تو وہ ہوں گے تو نبی ہی لیکن حضورؐ کے اُمتی ہوں گے۔

انہوں نے شعوری طور پر تو اس اعتراض کا یہ جواب دیا لیکن بعض اوقات ہزار احتیاط کے باوجود اصل بات غیر شعوری طور پر زبان سے نکل جاتی ہے۔ یہ وہ "اصلی بات" ہے جسے (اگرچہ) ہم اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ لیکن چونکہ اس کا زیادہ موزوں مقام یہ ہے اس لئے اسے دوبارہ درج کیا جاتا ہے۔ اسے پھر ذہن میں دُہرا لیجئے کہ مرزا صاحب نے پہلے صرف حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کا مسئلہ چھیڑا اور اپنے مسیح ہونے کی بات قطعاً نہ کی۔ ایسا کیوں کیا گیا۔ اس کے متعلق "اصل بات" سنئیے۔ فرماتے ہیں:۔

اب دیکھو یہ وہ الہامات براہین احمدیہ ہیں جن کا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ریویو لکھا تھا اور جن کو پنجاب اور ہندوستان کے تمامی علماء نے قبول کر لیا تھا۔ اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ حالانکہ ان الہامات کے کئی مقامات میں یہ اس خاکسار پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ اور سلام ہے اور یہ الہامات اگر میری طرف سے اس موقعہ پر ظاہر ہوتے جبکہ علماء مخالف ہو گئے تھے تو وہ لوگ ہزارہا اعتراض کرتے۔ لیکن وہ ایسے موقع پر شائع کئے گئے جبکہ یہ علماء میرے موافق تھے۔

یہی سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوشوں کے ان الہامات پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ ایک دفعہ ان کو قبول کر چکے تھے اور سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ میرے دعوے مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی الہامات سے پڑی ہے۔ اور انہی میں خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا۔ اور جو مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں، وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس پیچ میں پھنس گئے۔ (۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء)

(اربعین ۲، صفحہ ۲۱ شائع کردہ، بک ڈپو تالیف و تصنیف ربوہ)

آپ نے غور فرمایا کہ مرزا صاحب نے پہلے ہی اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیوں نہ کر دیا؟ یہ اس لئے کہ اگر پہلے ہی یہ دعوے کر دیا جاتا تو سب لوگ مخالف ہو جاتے۔ پہلے صرف حضرت مسیح کی آمد کا نظریہ عام کیا گیا جب لوگوں نے اسے تسلیم کر لیا اور اس "پیچ میں پھنس گئے" تو پھر اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا۔
اگر ہم نے اس کتاب کو خالصۃً علمی سطح پر نہ رکھنا ہوتا اور بحث و جدل کا عمومی انداز اختیار کیا ہوتا تو ہم بتاتے کہ جو شخص اس طرح دوسروں کو "پیچ میں پھنسا کر" اپنے دعوے پیش کرتا ہے اس کا کردار کیسا ہوتا ہے اور اس کے دعووں کی حقیقت کیا؟ لیکن ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ارباب علم و عقل کے لئے اس اقتباس کے الفاظ کافی ہیں۔ میں نے احتیاطاً ربوہ سے شائع کردہ اربعین کا نسخہ بھی دیکھ لیا ہے تاکہ اقتباس کے کسی لفظ میں کمی بیشی نہ ہو۔

یہ ہے وہ طریق جس سے مرزا صاحب مسیح موعود کے دعوے تک پہنچے۔

"احمدی حضرات (بالخصوص لاہوری "احمدی") بڑے فخر سے دعوے کیا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت کر کے "کسر صلیب[1]" کر دی ہے۔ یعنی عیسائیت کو ختم کر دیا ہے، انہیں کیا علم کہ مسیحی دنیا میں کسر صلیب کا کام کب سے شروع ہے۔ اور خود یورپ کے مفکرین، مؤرخین اور محققین نے اس پر کس کس انداز سے ضربیں لگائی ہیں۔ زیادہ نہیں تو اگر نٹشے کی (ANTI – CHRIST)[2] مارکس کے رفقاء میں سے

---

[1] روایت میں ہے کہ حضرت مسیح دوبارہ نازل ہو کر قتل خنزیر اور کسر صلیب کریں گے۔

فیور باخ کی (ESSENCE OF CHRISTIANITY) اور انگلیز کی (ANTI-DUHRING)
کا مطالعہ کر لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ انہوں نے جس انداز سے (انجیل میں پیش کردہ عیسائیت ہی
نہیں بلکہ خود عیسائیت کے بانی کی (معاذ اللہ) دھجیاں بکھیری ہیں' مرزا صاحب کا تصور بھی اس تک نہیں پہنچ
سکتا. ان سے آگے بڑھئے تو رینان کی (LIFE OF JESUS) اور برٹرینڈ رسل کی (WHY I AM NOT A
CHRISTIAN) دیکھئے تو ان میں ایک ایک صفحہ پر "صلیب" کے ٹکڑے بکھرے ہوئے نظر آئیں گے. آپ
وفات مسیح کہتے ہیں عیسائی دنیا کے محققین (عیسائی لٹریچر کے مطالعہ کے بعد) یہاں تک کہنے لگ گئے ہیں کہ
مسیح نام کی کوئی تاریخی شخصیت ہی نہیں محض افسانہ ہے. حال ہی میں اٹلی کے ایک ممتاز اہل قلم
(MARCELLO – CRAVERI) کی ارتعاش انگیز کتاب (LIFE OF JESUS) اور لنڈن کے
(DR.HUGH J. SCHONFIE,6) کی شہرۂ آفاق تصنیف (THE PASS OVER PLOT)
شائع ہوئی ہیں. جو دلائل اور حقائق ان میں پیش کئے گئے ہیں. مرزا صاحب کے دلائل ان کے سامنے نصاب
بچگاں نظر آتے ہیں. عیسائی دنیا تو خود یہاں تک پہنچ چکی ہے' ان کے سامنے آپ "کسر صلیب" کا کارنامہ
کیا پیش کریں گے؛ ویسے بھی عیسائی مملکتوں نے نظام سیکولر اختیار کر لیا ہے جس میں مذہب کی کوئی اہمیت
ہی نہیں رہتی. اس لئے انہیں اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی شخص وفات مسیح کا قائل ہے یا حیات مسیح کا
(خود مرزا صاحب نے بھی اسلام کو ایک مذہب کی حیثیت سے پیش کیا ہے. اسلام بہ حیثیت ایک دین ـــــ
نظام حیات ـــــ ان کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آیا تھا) حتٰی کہ اگر آپ کچھ عیسائیوں کو مسلمان بھی کر لیں تو
ان کے ہاں اس سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا' نہ ہی اس سے اسلام کا پلڑا جھک جاتا ہے. اس زمانے میں
جبکہ مغربی فلسفۂ سیاست کی رُو سے قوموں کی موت اور حیات' وطنیت اور قومیت کے نظریہ کے ساتھ وابستہ
ہو چکی ہے' چند افراد کی تبدیلیٔ مذہب کیا مؤثر حیثیت رکھتی ہے. اگر (مثلاً) پاکستان کے خلاف انگلستان کی جنگ
ہو تو اس میں مسلمان انگریز بھی اسی طرح پاکستان کے خلاف ہتھیار اٹھائیں گے جس طرح وہاں کے عیسائی انگریز. یہی وہ
حقیقت ہے جس کے پیش نظر' علامہ اقبالؒ نے اپنی اس نظم میں جس کا عنوان ہے " اشاعت اسلام فرنگستان میں"
کہا تھا کہ

ضمیر اس مدنیت کا دیں سے ہے خالی فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب پہ قیام
بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں قبول دین مسیحا سے برہمن کا مقام

اگر قبول کرے دینِ مصطفیٰ انگریز
سیاہ روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

یورپ میں اشاعت اسلام کے ڈھنڈورے اس لئے پیٹے جاتے ہیں کہ سادہ لوح مسلمان اس خیال میں مست رہے کہ مغربی اقوام میں اسلام کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اور اس کی نگاہ اس طرف اٹھنے ہی نہ پائے کہ اقوامِ مغرب اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کیا کچھ کر رہی ہیں۔ اشاعت اسلام کے یہ سحر آفریں' خواب آور افسانے' درحقیقت فرنگی کے اس "خود کاشتہ" پودے کے برگ و بار ہیں جو پچھلی صدی میں بویا گیا تھا۔ اگر آپ سمجھنا چاہیں کہ انگریز کو اس "پودے" کے لگانے کی ضرورت کیا تھی تو "ارمغانِ حجاز" میں علامہ اقبالؒ کی نظم ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کا غائر نگاہوں سے مطالعہ کیجئے۔ اس میں ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے کہ میں اور کسی بات سے نہیں ڈرتا۔

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں!

اس کے لئے اس نے اپنے مشیروں کو نسخہ یہ بتایا تھا کہ تم مسلمانوں کو اس قسم کے مسائل میں الجھائے رکھو کہ:-

ابنِ مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے!
ہیں صفاتِ ذاتِ حق حق سے جدا یا عینِ ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات

مسلمان کو ان مباحث میں الجھائے رکھو اور اس طرح :-

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

یہ تھا وہ پروگرام جسے انگریز نے تجویز کیا تھا اور جس میں مسلمان کو بُری طرح اُلجھائے رکھا گیا ہے اور جس جال کے حلقے اب "اشاعت اسلام" کے پراپیگنڈے سے کسے جا رہے ہیں۔ یاد رکھئے! جو لوگ اسلام کو بہ حیثیت ایک "مذہب" کے دنیا میں پیش کریں گے وہ مسلمانوں کو دین سے اتنا ہی دُور لے جائیں گے۔ دین یہ بتاتا ہے کہ اسلام ایک زندہ حقیقت نہیں بن سکتا جب تک اس کی اپنی آزاد مملکت نہ ہو جس میں قرآن کے احکام کو ملکی قوانین کی حیثیت سے نافذ کیا جائے اور زندگی کا ہر نظام اس کے اصولوں کے تابع ہو۔ اس کے برعکس "مذہب" اس فریب میں مبتلا رکھتا

ہے کہ مسلمان، کفار کی محکومی میں بھی نہ صرف سچا اور پکا مسلمان بن کر رہ سکتا ہے، بلکہ ایسے "روحانی مراتب" حاصل کر سکتا ہے جن سے وہ ولی اللہ، محدّث، مجدّد، مہدی، مثیلِ مسیح بلکہ نبی اور رسول بھی بن سکتا ہے اور اپنی اس خدمتِ جلیلہ کو فخر کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ :۔

> میں سولہ برس سے اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانانِ ہند پر اطاعت گورنمنٹ برطانیہ فرض اور جہاد حرام ہے۔　　(اشتہار مرزا صاحب مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء)

مسیح موعود پر ایمان

بحث کو ختم کرنے کی غرض سے ہم مانے لیتے ہیں کہ لاہوری جماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود تھے اور بس۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ مسیح موعود کے عقیدہ کا کفر یا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اسے نہ ماننے سے کوئی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ آیئے ذرا ان کے اس دعوے کا جائزہ لیں۔ مرزا صاحب کا ارشاد ہے۔

> میں خدا کا ظلی اور بروزی طور پر نبی ہوں اور ہر ایک مسلمان کو دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے اور مسیح موعود ماننا واجب ہے اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے، گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھہراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے، وہ آسمان پر قابلِ مواخذہ ہے کیونکہ جس امر کو اس نے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا، اس کو رد کر دیا۔
>
> (تحفۃ الندوہ ص۴)

لاہوری جماعت کے ترجمان ـــــ پیغامِ صلح ـــــ نے اپنی ۲۰ فروری ۱۹۷۴ء کی اشاعت کے صفحہ اول پر مرزا صاحب کا یہ قول شائع کیا۔

> اب یہ امر صاف ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مامور اور مسیح موعود کے نام سے دنیا میں بھیجا ہے۔ جو شخص میری مخالفت کرنے والے ہیں وہ میری نہیں اللہ کی مخالفت کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ ان نادانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کفر اور ایمان کا تعلق دنیا سے نہیں خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہے اور خدائے تعالیٰ میرے مومن اور مامور ہونے کی وجہ سے تصدیق کرتا ہے پھر ان کی بیہودگیوں کی مجھے کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ غرض ان باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ میرے مخالف نہ تھے، بلکہ خدا تعالیٰ

کی باتوں کی انہوں نے مخالفت کی۔ اور یہی وجہ ہے جس سے مامور من اللہ کے مخالفوں کا ایمان سلب ہوجاتا ہے۔ (ملفوظات احمدیہ' حصہ اوّل)

مرزا صاحب نے اپنی ایک تقریر میں' جسے (سابق) امیر جماعت احمدیہ لاہور' مولوی محمد علی نے اپنی کتاب النبوۃ فی الاسلام میں نقل کیا' فرمایا۔

دیکھو جس طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کو ماننے کا دعوٰے کرکے' ان کے احکام کی تفصیلات' مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' تقوٰے' طہارت کو بجا نہ لائے اور ان احکام کو جو تزکیہ نفس' ترک شر اور حصول خیر کے متعلق نافذ ہوئے ہیں چھوڑ دے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اس پر ایمان کے زیور کے آراستہ ہونے کا اطلاق صادق نہیں آسکتا۔ اسی طرح جو شخص مسیح موعود کو نہیں مانتا یا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بھی حقیقت اسلام اور غایت نبوت اور غرض رسالت سے بے خبر محض ہے اور وہ اس بات کا حقدار نہیں ہے کہ اس کو سچا مسلمان' خدا اور رسول کا سچا تابعدار اور فرمانبردار کہہ سکیں کیونکہ جس طرح اللہ تعالٰے نے آنحضرتؐ کے ذریعے قرآن شریف میں اور احکام دیئے ہیں اسی طرح سے آخری زمانے میں ایک آخری خلیفہ کے آنے کی پیشگوئی بھی بڑے زور سے بیان فرمائی ہے اور اس کے نہ ماننے والوں اور اس سے انحراف کرنے والوں کا نام فاسق رکھا ہے۔ (النبوۃ فی الاسلام ص۲۱۴)

یہ صریح جھوٹ ہے اور خدا کے خلاف افترا۔ قرآن کریم میں کہیں ایسا نہیں کہا گیا۔

بہرحال' ان مقامات میں' مرزا صاحب نے الفاظ کے انتخاب میں تھوڑی سی احتیاط برتی ہے۔ اس "تریج" کے بعد بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ انہوں نے کہا۔

علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا' وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے۔۔۔۔۔ اب جو شخص خدا اور رسول کے احکام کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدا کے نشانوں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانیوں کے مفتری ٹھہراتا ہے تو وہ مومن کیونکر ہوسکتا ہے۔ اور اگر وہ مومن ہے تو میں بوجہ افترا کرنے کے کافر ٹھہرا کیونکہ میں ان کی نظر میں مفتری ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۶۳)

ان اقتباسات کی روشنی میں ہم لاہوری جماعت سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ جو شخص' مرزا صاحب کو مامور من اللہ

یا مسیح موعود نہیں مانتا اسے آپ مسلمان تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ اسے مسلمان نہیں مانتے تو آپ میں اور قادیانیوں میں فرق کیا رہا! اور اگر اسے مسلمان سمجھتے ہیں تو پھر مرزا صاحب (خود اپنے الفاظ کی رُو سے) کافر ٹھہرے۔ کیا آپ انہیں کافر سمجھتے ہیں یا نہیں؟

اور آگے بڑھیئے۔ اسی کتاب (حقیقتہ الوحی) میں ذرا آگے چل کر مرزا صاحب نے بات اور بھی واضح کر دی ہے (جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے) وہ کہتے ہیں۔

> کفر دو قسم پر ہے۔ ایک کفر یہ ہے کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرتؐ کو رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔
>
> (حقیقتہ الوحی، ص۱۷۹)

اسی بنا پر مرزا صاحب نے کہا تھا کہ انہیں خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ:۔

> جو تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔　　(اشتہار معیار الاخیار، مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء، ص۸)

مرزا صاحب کے ان بیانات اور "الہامات" کی روشنی میں دیکھئے کہ لاہوری جماعت کا یہ دعویٰ کہ مرزا صاحب کو مسیح موعود نہ ماننے سے کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا کس قدر فریب دہی ہے۔

قولِ فیصل

آخر میں ہم ایک ایسا نکتہ سامنے لانا چاہتے ہیں جو اس باب میں حرفِ آخر اور قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ مرزا صاحب کا یہ فیصلہ ہے جسے لاہوری جماعت اپنے ہاں بار بار دہراتی رہتی ہے کہ:۔

> ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم

ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکامِ فرقانی کی ترمیم و تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کر سکتا ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعتِ مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔ (ازالہ اوہام مثلا، طبع اوّل
بحوالہ پیغام صلح، بابت ۵ دسمبر ۱۹۷۳ء)

اور یہ قرآن کریم کے ارشاد کے عین مطابق ہے جس نے کہا ہے کہ ــــ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶/۱۱۶ و دیگر مقامات) "احکامِ خداوندی کو کوئی بدل نہیں سکتا"۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، یوں تو قرآن کریم کا ہر (چھوٹا بڑا) حکم، حکمِ خداوندی ہے اور مرزا صاحب کے مندرجہ بالا فیصلہ کا ان سب پر یکساں اطلاق ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم نے جہاد (قتال بالسیف "تلوار کے ساتھ جنگ") کو جو اہمیت دی ہے وہ کسی بھی مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان کے بعد قرآنی اعمالِ صالحہ کی فہرست میں سب سے اوپر اس جہاد (قتال بالسیف) کا نام آتا ہے۔ اس نے مومنین کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ..... (۹/۱۱۱)

یہ حقیقت ہے کہ خدا نے مومنین سے ان کی جانیں بھی خرید لی ہیں اور مال بھی اور اس کے عوض انہیں جنت کی زندگی عطا کر دی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جنگ (جہاد بالسیف) کرتے ہیں جس میں دشمنوں کو قتل بھی کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہو جاتے ہیں (خدا کا یہ وعدہ کوئی نیا وعدہ نہیں۔ اس نے یہ وعدہ) تورات اور انجیل میں بھی کیا تھا۔ اور اب اسے قرآن میں بھی دہرایا جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ کسی شخص کے مومن ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ قتال فی سبیل اللہ کے لئے ہر وقت تیار رہے کہ جہاں تک اس عمل کی افضلیت کا تعلق ہے، واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (۲/۱۵۴) "ان لڑائیوں میں جان دے دینے والوں کو مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں"۔ انہیں مردہ کہنا تو ایک طرف، تاکید کر دی کہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا (۳/۱۶۹) "ان کے متعلق خیال تک بھی نہ کرو کہ وہ مُردہ ہیں"۔

اس حکم کی حکمت کے متعلق انہیں بتا دیا گیا کہ اگر تم میں یہ جذبہ باقی نہ رہا اور تم نے اس سے راہِ فرار اختیار کر لی، تو یاد رکھو! اس سے تمہاری ملی ہستی فنا ہو جائے گی. تم مٹ جاؤ گے. تمہارا وجود بھی باقی نہیں رہے گا.

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡــًٔا ؕ

(۹/۳۹) اگر تم جنگ کے لئے نہ نکلے تو تمہیں الم انگیز سزا ملے گی. اور خدا تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لا کھڑا کرے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے."

یعنی قتال اور مسلمانوں کی ملی ہستی لازم و ملزوم ہیں. اگر ان میں جذبۂ قتال نہ رہا تو ان کا وجود بھی باقی نہیں رہے گا.

قرآنِ کریم میں جہاد بالسیف کے متعلق اس قسم کی متعدد آیات آئی ہیں لیکن ہم اس مقام پر صرف انہی پر اکتفا کرتے ہیں. ان کی بابت ہر مسلمان کو بخوبی علم ہے.

جس جہاد بالسیف کی اس قدر تاکید اور جس کی اس قدر اہمیت اور فضیلت ہے' اس کے متعلق مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے' اسے پہلے بھی درج کیا جا چکا ہے. موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا ایک ٹکڑا دوبارہ ملاحظہ فرمائیے. مرزا صاحب نے کہا کہ :-

> آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا خدا کے حکم سے بند کیا گیا. اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرمایا کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے. سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں. ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا. (اربعین نمبر ۴' ص۴۷)

اس کی وضاحت میں مرزا صاحب نے جو نظم لکھی تھی اسے ہم پہلے درج کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ جہاد کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں انہوں نے اتنا کچھ لکھا جس سے (بقول ان کے) پچاس الماریاں بھر جائیں گے.

لاہوری جماعت کو اس کا اقرار ہے کہ مرزا صاحب نے واقعی تلوار کے جہاد کو منسوخ قرار دے دیا. پیغامِ صلح بابت ۲۸ جولائی ۱۹۷۱ء کے افتتاحیہ میں' اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ مرزا صاحب

لہ واضح رہے کہ کسی غیر کو بزورِ شمشیر مسلمان کرنا' قرآن کی رُو سے قطعاً جائز نہیں. جہاد بالسیف دین کی حفاظت کے لئے ہے. اسی کو مرزا صاحب حرام قرار دیتے اور منسوخ ٹھہراتے ہیں.

نے جہاد کو حرام قرار دیا تھا، کہا گیا کہ:-

معلوم ہونا چاہیئے کہ جہاد دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جہاد جو ارشادِ الٰہی قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم کی تعمیل میں کفار کے حملہ کے جواب میں قتال کی صورت میں کیا جاتا ہے اور دوسری قسم کا جہاد اسلام پر اعتراضات کے دفعیہ اور تبلیغ اسلام کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس دوسری قسم کے جہاد کو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے.........
مرزا صاحب نے جہاد کو مطلقاً منسوخ نہیں کیا۔ انہوں نے علمائے اسلام کی تائید میں؟ جہاد اصغر (یا تلوار کے جہاد کو) منسوخ قرار دیتے ہوئے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں جہادِ اکبر کو جاری رکھا۔

ہم جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر کی تمیز و تفریق میں نہیں اُلجھنا چاہتے ـــــ قرآن کریم میں ایسی کوئی تفریق نہیں۔ ان حضرات کو بہر حال یہ تسلیم ہے کہ مرزا صاحب نے تلوار کے جہاد کو منسوخ قرار دیا تھا۔ تلوار کے جہاد کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور ایک جگہ نہیں متعدد مقامات میں موجود ہے۔ اور مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ:

اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکامِ فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کر سکتا ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعتِ مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔

قرآن کریم کے حکم کو منسوخ قرار دینے کی بنا پر مرزا صاحب خود اپنے فیصلے کے مطابق "جماعتِ مومنین سے خارج ' ملحد اور کافر" قرار پا جاتے ہیں۔ لہٰذا انہیں مامور من اللہ ' مجدد ' مسیح موعود وغیرہ تسلیم کرنا تو ایک طرف ' انہیں مسلمان بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نہ صرف انہیں ' بلکہ جو شخص انہیں مسلمان تسلیم کرے ' خود اسے بھی مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ "احمدی" حضرات (خواہ قادیانی ہوں اور خواہ لاہوری) مرزا صاحب کے دعاوی کو سچا سمجھنے کی بنا پر دائرۂ اسلام سے خارج قرار پا جاتے ہیں ' اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار

؎ جن علماء نے ایسا کیا تھا وہ بھی اسی جرم کے مرتکب تھے۔ ان کے کسی مسلک کو سند کے طور پر پیش کرنا عام مسلمانوں کے نزدیک بھی قابل نہیں قرار پا سکتا چہ جائیکہ اسے ایک "مامور من اللہ" کے دعوے کی تائید میں پیش کیا جائے۔ ویسے بھی مرزا صاحب کا دعوے تھا کہ انہوں نے جہاد کو خدا کے حکم سے بند کیا ہے۔

ہی نہیں کیا جا سکتا. ہم نے اس جگہ اور اس سے پہلے بھی کئی ایک مقامات پر کہا ہے کہ ان دلائل کی رُو سے جو متعلقہ مقامات میں پیش کئے گئے ہیں. مرزا صاحب اور ان کے متبعین، اُمتِ محمدیہ کے افراد (مسلمان) تسلیم نہیں کئے جا سکتے. یہ قرآنی بصیرت کے مطابق ہماری اپنی رائے ہے جو قولِ فیصل کی حیثیت نہیں رکھ سکتی. اصل یہ ہے کہ کسی فرد یا افراد کی جماعت کو یہ حق ہی حاصل نہیں ہوتا کہ وہ کسی کے کفر و اسلام کے متعلق فیصلہ کرے. وہ صرف اپنی رائے پیش کر سکتا ہے. اس کا حق صرف اسلامی مملکت کو حاصل ہوتا ہے جو آئینی طور پر فیصلہ کرتی ہے کہ مسلم کون ہے اور غیر مُسلم کون؟

آیئے ہم دیکھیں کہ آئینِ پاکستان کی رُو سے "احمدیوں" کی پوزیشن کیا ہے.

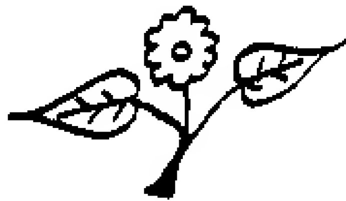

آٹھواں باب

آئینی پوزیشن

مرزا صاحب نے اپنی اٹھائیس سالہ زندگی بحیثیت داعی میں جو مختلف دعوے کئے ان کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آپ کے سامنے آچکی ہے چونکہ وہ دعاوی مختلف صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مختصر الفاظ میں انہیں یکجا کر دیا جائے تاکہ بیک نظر پوری تصویر سامنے آجائے۔ ان کی دعاوی کی فہرست یوں مرتب ہوتی ہے۔

۱۔ براہینِ احمدیہ کی اشاعت کے زمانے میں مناظرِ اسلام کی حیثیت۔
۲۔ کشف و الہام کی رُو سے ولایت کا دعوےٰ اس کے ساتھ ہی ختمِ نبوت کے شدت سے قائل۔
۳۔ مخاطبت و مکالمتِ خداوندی کی رُو سے محدث، مجدد، امام آخر الزماں ہونے کا دعویٰ۔
۴۔ مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ۔
۵۔ ختمِ نبوت کے جدید معنی۔ یعنی یہ کہ نبیٔ اکرمؐ کی مہرِ تصدیق سے نبوت مل سکتی ہے اور میں اسی نہج سے نبی ہوں۔
۶۔ ظلی، بروزی، حلولی نبی ـــــــ رسول اللہ کے اوتار بلکہ عین محمدؐ۔
۷۔ صاحبِ کتاب، صاحبِ شریعت نبی۔ ایسا ہی نبی جیسے سابقہ نبی گزرے ہیں۔ صاحبِ شریعتِ جدیدہ، کہ قرآن کریم کے جہاد (قتال بالسیف) جیسے حکم کو منسوخ بلکہ حرام قرار دے دیا۔
۸۔ آخری نبی۔
۹۔ جداگانہ دین، جداگانہ اُمت۔ مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے ان سے ہر معاملہ میں علیحدگی اور قطع تعلق۔

ان کے ان دعاوی کے سلسلے میں ہمارے علماء حضرات نے ان سے مناظرے کرنے شروع کئے اور ان پر کفر کے فتوے لگائے۔ علماء کی طرف سے عائد کردہ کفر کے فتووں کی حیثیت کیا ہوتی ہے اور درحقیقت ہونا کیا چاہیئے، یہ بات سمجھنے کے قابل ہے۔

۱۔ اسلام، خدا کی طرف سے عطا کردہ الدّین ہے۔ دین کے معنی ہیں نظامِ زندگی یا ضابطۂ حیات۔ یہ نظام با ضابطہ عملی شکل اپنی آزاد مملکت میں اختیار کر سکتا ہے۔ اس مملکت میں اس کے احکام و اقدار قوانینِ حکومت کی حیثیت سے نافذ ہوتے ہیں۔ اگر اپنی مملکت نہ ہو تو ان کی حیثیت محض وعظ یا اخلاقیات کی رہ جاتی ہے۔

۲۔ جو مملکت اسلام کو الدّین کی حیثیت سے اختیار اور متشکل کرنے کے لئے وجود میں آئے اسے اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔ جس کا ضابطہ آئین و قوانین قرآنِ کریم ہوتا ہے۔

۳۔ شق ۲ سے واضح ہے کہ اسلامی مملکت درحقیقت ایجنسی ہوتی ہے قرآنی احکام و اقدار و اصول کو عملاً نافذ کرنے کی۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ فریضہ صرف اُمتِ مسلمہ کے افراد سرانجام دے سکتے ہیں۔ غیر مسلم اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔

۴۔ اسلامی مملکت میں مسلم اور غیر مسلم دونوں آباد ہوں گے لیکن (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) غیر مسلم نہ امورِ مملکت میں دخیل ہو سکتے ہیں، نہ رموزِ حکومت میں شریک۔ اس اعتبار سے اسلامی مملکت میں دو الگ الگ گروہ آباد ہوں گے ــــــ مسلم اور غیر مسلم ــــــ اسی کو دو قومی نظریہ کہا جاتا ہے۔

۵۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلم امورِ مملکت میں تو شریک نہیں ہو سکتے، لیکن انہیں تمام انسانی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور مملکت ان کے جان، مال، عزت، آبرو، معابد کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ نیز انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل ہوتی ہے۔

۶۔ تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ اسلامی مملکت میں مسلم اور غیر مسلم میں خطِ امتیاز کھینچنا مملکت کا اوّلین فریضہ ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں کی آئینی پوزیشن الگ الگ ہوتی ہے۔

۷۔ صدرِ اوّل میں جب اسلامی مملکت قائم تھی تو اس کے دائرۂ اقتدار میں بسنے والے مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے سے بالکل متمیز اور الگ الگ تھے ...... یعنی مملکت آئینی طور پر طے کرتی تھی

کہ مسلم کون ہیں اور غیر مسلم کون۔ مملکت کے سوا کسی کو کسی کے کفر و اسلام کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔

۸۔ اس کے بعد جب مملکت اسلامی نہ رہی، تو دین' مذہب میں تبدیل ہو گیا اور مملکت (یوں سمجھئے گویا) سیکولر ہو گئی۔ جب مملکت کے باشندوں کے کفر و اسلام کا فیصلہ کرنا مملکت کا آئینی فریضہ نہ رہا تو اسے مذہبی پیشوائیت نے اپنے حیطۂ اقتدار میں لے لیا۔ انہوں نے کفر اور اسلام کے فتاویٰ صادر کرنے شروع کر دیئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان فتاویٰ کی حیثیت' ان کی ذاتی آراء کی سی تھی' لیکن یہاں ایک اور عقیدہ وضع کر لیا گیا۔ وہ یہ کہ جس مسلمان کے متعلق یہ حضرات فتوے صادر کر دیتے کہ اس نے اسلام چھوڑ دیا ہے' اسے مرتد قرار دے دیا جاتا۔ اور مرتد کی سزا قتل۔ یاد رہے کہ اسلام چھوڑ دینے سے مراد یہی نہیں کہ وہ مسلمان' عیسائی' یہودی یا مجوسی وغیرہ ہو جاتا۔ جس مسلمان کے متعلق یہ کہہ دیتے کہ اس کے عقائد اسلام کے مطابق نہیں رہے (یعنی ان حضرات کے عقائد کے مطابق نہیں رہے) اُسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جاتا۔ ان فتاوے کی رُو سے' جس قدر مسلمانوں کا خون خود مسلمانوں کے ہاتھوں بہا ہے' اس کے چھینٹوں سے ہماری تاریخ کے اوراق لالہ زار بنے چلے آ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ یہ عقیدہ قرآنِ کریم کی کھلی ہوئی تعلیم کے خلاف ہے۔ وہ مذہبی آزادی کا علمبردار ہے اور تبدیلیٔ مذہب کو جرم قرار نہیں دیتا۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ یہ عقیدہ وضع کردہ ہے' اس لئے کہ جو عقیدہ یا نظریہ قرآنِ کریم کے خلاف ہو گا وہ بعد کا وضع کردہ ہو گا۔ چونکہ میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھ چکا ہوں' اس لئے اس مقام پر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس سوال سے دلچسپی رکھنے والے حضرات ادارہ طلوعِ اسلام کی طرف سے شائع کردہ کتابچہ "قتلِ مرتد" کا مطالعہ کریں)۔

۹۔ انگریز ہندوستان میں آیا تو اس نے تمام باشندگانِ ملک کو مذہبی آزادی دے دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے علماء کفر کے فتوے تو بدستور صادر کرتے رہے لیکن ان کے نتیجہ میں کسی کا خون نہ بہا ان کے فتاوے کفر کی بے محابیوں کا یہ عالم تھا (اور ہے) کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جس پر دوسرے فرقوں کے "علماء" نے کفر کا فتوے نہ لگایا ہو ـــــــ بالفاظِ دیگر' اس وقت عالمِ اسلام میں شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جو ان کے فیصلوں کے مطابق کافر نہ قرار پا چکا ہو۔ لیکن ان فتوؤں سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا تھا۔ وہ ویسے کا ویسا مسلمان رہتا تھا (اور رہتا ہے) اس سے البتہ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ

یہ حضرات وقتی طور پر عوام کو مشتعل کر دیتے اور اس شخص کے پیچھے لگا دیتے ہیں جس پر یہ کفر کا فتوے عائد کر دیں۔

۱۰۔ یہ تھے ہندوستان میں وہ حالات جن میں مرزا غلام احمد نے مختلف دعاوی (منجملہ دعوئے نبوت) کئے۔ علماء نے حسبِ معمول ان پر کفر کے فتوے لگائے لیکن (جیساکہ اوپر کہا گیا ہے) ان کی حیثیت محض نظری رہی۔

۱۱۔ مدعیانِ باطل میں مرزا صاحب کی پوزیشن بالکل منفرد ہے۔ دوسروں نے نبوت کے دعوے کئے تو خود ہی مسلمانوں سے الگ ہو گئے۔ لہٰذا ان کے ساتھ کسی قسم کا جھگڑا یا تنازعہ نہ رہا۔ ان کی حیثیت ویسی ہی ہو گئی جیسی دیگر اہلِ مذاہب کی تھی لیکن مرزا صاحب نے دعوئے نبوت کیا تو کہا کہ مسلمان وہ ہیں جو میرے متبعین ہیں۔ جو مجھے نہیں مانتا وہ مسلمان ہی نہیں۔ یعنی انہوں نے اپنے سوا ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا۔

لیکن جس طرح (ہندوستان میں) ہمارے علماء کے فتوے نے مرزا صاحب اور ان کے متبعین کا کچھ نہ بگڑا اسی طرح مرزا صاحب کے فتوے سے ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

مسلمانانِ ہند نے ایک اسلامی مملکت متشکل کرنے کا طے کر لیا جس کی بنیاد دو قومی نظریہ پر تھی۔ یہ مملکت ۱۹۴۷ء میں وجود میں آ گئی۔ اس مملکت کے کرنے کا پہلا کام یہ تھا کہ یہاں دو قومی نظریہ کو عملاً متشکل کرتے۔ یعنی مسلمانوں اور غیر مسلموں کا تعین کرتے، اور انہیں ایک دوسرے سے الگ الگ قرار دیتے۔ اس سے کفر بازی کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا اور مرزا صاحب کے متبعین کی آئینی حیثیت بھی متعین ہو جاتی۔ لیکن مملکتِ پاکستان نے دو قومی نظریہ کو بالائے طاق رکھ دیا، اگرچہ ان الفاظ کو برابر دہراتے رہے اور دہراتے چلے جا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ یہاں باہمی تکفیر کا سلسلہ بھی بدستور جاری رہا۔ لیکن چونکہ یہاں بھی مذہبی آزادی کی ضمانت حسبِ سابق دی گئی تھی، اس لئے "ارتداد" کی بناء پر قتل کی نوبت نہ آئی۔ یہ جو ہمیں بار بار یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ منیر کمیٹی کے رُو برو، علماء حضرات یہ بھی متعین نہیں کر سکے تھے کہ "مسلمان کہتے کسے ہیں" اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہ فریضہ مملکت کا تھا کہ وہ متعین کرے کہ مسلمان کسے تسلیم کیا جائے گا اور غیر مسلم کون قرار پائے گا۔ مملکت اس فریضہ کی ادائیگی سے قاصر رہی اور پوزیشن اس "اسلامی مملکت" میں بھی وہی رہی جو

غیر منقسم ہندوستان میں تھی۔

۲۔ سنہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں پہلی بار اس کی صراحت کی گئی ہے کہ مسلمان ہونے کی شرط کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ

۱۔ آئین میں کہا گیا ہے کہ صدر اور وزیر اعظم کے لئے مسلمان ہونا لازمی ہے۔

۲۔ صدر اور وزیر اعظم کے حلف نامہ میں اس امر کا اقرار لازمی رکھا گیا ہے کہ وہ حضورؐ کو آخری نبی تسلیم کرتے ہیں' اور آپ کے بعد سلسلۂ نبوت کو ختم قرار دیتے ہیں۔

۳۔ اس سے بالواسطہ یہ طے پا گیا کہ آئین کی رُو سے کسی کو مسلمان تسلیم کئے جانے کی شرط یہ ہے کہ وہ اس امر پر ایمان رکھے کہ نبوت کا سلسلہ حضورؐ کی ذات پر ختم ہو گیا ـــــ بالفاظِ دیگر' جو شخص اجرائے نبوت کا قائل ہو' اسے آئین کی رُو سے مسلمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا (واضح رہے کہ قرآن کریم کے کسی حکم کو منسوخ اور حرام قرار دینا بجائے خویش دعوائے نبوت ہے۔ اس لئے اس کا مدعی یا معتقد بھی اجرائے نبوت کا قائل قرار پائے گا)۔

۴۔ آئین میں ہندو' پارسی' عیسائی' بدھوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔ اب آئین کی مذکورہ بالا شرط کی رُو سے جو بھی غیر مسلم قرار پائے گا' اس کا شمار ان اقلیتوں میں ہو جائے گا۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے' ان غیر مسلم اقلیتوں کو تحفظات کی ضمانت دی گئی ہے۔ لیکن جہاں تک حقوق کا تعلق ہے' ان میں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ـــــ بجز اس کے کہ غیر مسلم صدر یا وزیر اعظم نہیں بن سکتا۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو (سرِ دست) ان کی پوزیشن مسلمانوں سے بھی بہتر ہے۔

۵۔ آئین کی مذکورہ بالا شرط فیصلہ کن تھی جس سے اس مسئلہ کو مستقل طور پر حل (اور ختم) ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن سوال یہ زیرِ غور آ گیا کہ مرزا صاحب کے متبعین کو اجرائے نبوت کے ماننے والے تسلیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ان سطور کی تسوید کے وقت یہ سوال پارلیمان کے زیرِ غور ہے۔ اس لئے ہم اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

البتہ جو کچھ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے اس کی روشنی میں قارئین خود ایک نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ ہماری قرآنی بصیرت کے مطابق' مرزا صاحب کے متبعین (خواہ وہ قادیانی ہوں اور خواہ لاہوری) اُمتِ محمدیہ کے افراد قرار نہیں پا سکتے۔ ان کی آئینی حیثیت کیا متعین کی جاتی ہے اس کے لئے ہیں مکلف

نہیں، مجھے تو صرف بارگاہِ خداوندی میں جواب دینا ہے. اور اسی جوابدہی کا احساس، اس کتاب کی تدوین کا جذبۂ محرکہ ہے.

پسِ تحریر

یہ سطور اس وقت لکھی گئی تھیں جب "احمدیوں" کے کفر و اسلام کا مسئلہ پارلیمان میں زیرِ غور تھا. اس کے بعد کیا ہوا، اس کے لئے آپ تکملہ ملاحظہ فرمائیے.

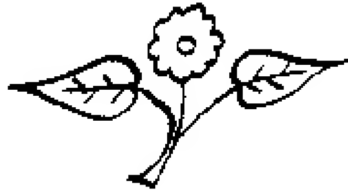

نواں باب

مقامِ نبوّت

ختمِ نبوت سے متعلق جملہ مباحث کے بعد، وہ تصور سامنے آتا ہے جس سے ایک حسّاس مسلمان کی کیفیت یہ ہوجاتی ہے کہ

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

ہم نبوت کی حقیقت اور ماہیت کو تو نہیں جان سکتے لیکن قرآن کریم نے مقامِ نبوت کا جو تصور پیش کیا ہے، وہ اس قدر عظیم اور بلند ہے کہ ساری کائنات اس کے سامنے جھکی ہوئی نظر آتی ہے. میں نے اس سلسلہ میں اپنی کتاب "معراجِ انسانیت" کے آخری باب میں لکھا ہے:-

> نبوت کا مقام اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ اس کے تصور سے روح میں بالیدگی، نگاہوں میں بصیرت، ذہن میں جلا، قلب میں روشنی، خون میں حرارت، بازوؤں میں قوت، ماحول میں درخشندگی فضا میں تابندگی اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں زندگی کے آثار نمودار ہوجاتے ہیں. نبی کا پیغام انقلاب آفریں، دین و دنیا کی سرفرازیوں اور سربلندیوں کا امین ہوتا ہے. وہ مُردوں کی بستی میں صورِ اسرافیل پھونک دیتا ہے. اس سے قوم کے عروقِ مفلوج میں پھر سے خونِ حیات رقص کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اپنی ملت کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے اور ان کے ایک ہاتھ میں زمین کی خلافت اور دوسرے میں آسمان کی بادشاہت دے دیتا ہے. وہ اپنی ہوش رُبا تعلیم اور محیّر العقول عمل سے باطل کے تمام نظام ہائے کہنہ کی بنیادیں اکھیڑ کر آئینِ کائنات کو ضابطۂ خداوندی پر متشکل کر دیتا ہے. اس سے زندگی ایک نئی کروٹ لیتی ہے. آرزوئیں آنکھیں

ملتی ہوئی اٹھتی ہیں۔ ولولے جاگ پڑتے ہیں۔ ایمان کی حرارتیں، دلوں میں سوز اور جگر میں گداز پیدا کرتی ہیں۔ روح کی مسرتوں کے چشمے اُبلتے ہیں۔ قلب و جگر کی نورانیت کی سوتیں پھوٹتی ہیں۔ تازہ امیدوں کی کلیاں مہکتی ہیں۔ زندہ مقاصد کے غنچے چٹکتے ہیں اور اس خوش بخت قوم کا صحنِ چمن، دامانِ صد باغبان و کفِ ہزار گلفروش کا فردوسی منظر پیش کرتا ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کا قیام اس کا نصب العین اور قوانینِ خداوندی کا نفاذ اس کا منتہیٰ ہوتا ہے جب اس کے ہاتھوں خدا کی بادشاہت کا تختِ اجلال بچھتا ہے تو باطل کی ہر طاغوتی قوت پہاڑوں کے غاروں میں مُنہ چھپاتی پھرتی ہے۔ جور و استبداد کے قصرِ فلک بوس کے کنگورے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ طغیان و سرکشی کے آتشکدے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کی قدوسی جماعت کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے باہر نکلتا ہے تو فتح و ظفر اس کی رکاب چومتی ہے۔ شوکت و حشمت اس کے جلو میں چلتی ہے۔ سرکش اور خود پرست قومیں اس کے خدائے واحد القہار کا کلمہ پڑھتی ہیں اور خدا اور اس کے فرشتے ان انقلاب آفریں ملکوتی کارناموں پر تحسین و تبریک کے پھولوں کی بارش کرتے ہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔

یہ تھا مقامِ نبوت جسے شمعِ قرآنی سے اکتسابِ ضیاء کے بعد میں نے ان الفاظ میں پیش کیا تھا۔ اس کے بعد ہمارے سامنے ایک مدعیٔ نبوت آتا ہے جس کی ساری عمر انگریزوں جیسی ابلیسی سیاست کی حامل قوم کی غلامی کی تلقین و تاکید میں گزر جاتی ہے۔ وہ لیفٹیننٹ گورنر بہادر کو درخواستوں پر درخواستیں گزارتا ہے کہ میں نے آپ کی اس قدر خدمت کی ہے، آپ اس کے صلہ میں میری حفاظت بھی کریں اور خصوصی مراعات سے بھی نوازیں! سوچئے عزیزانِ من! کہ اس سے نبوت کو کس مقام پر لے آیا گیا ہے؟ یہی وہ احساس تھا جس سے تڑپ کر اقبالؒ نے کہا تھا کہ

فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

مقامِ نبوت کے تعارف کے بعد میں نے اپنی مذکورہ صدر کتاب میں لکھا تھا:

مقامِ نبوت تو ایک طرف، شمعِ نبویؐ سے اکتسابِ ضیا کرنے والے مردِ مومن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں سے قوموں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ایک اللہ کے سوا کسی کا خوف

اس کے دل تک نہیں پہنچ سکتا. دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس کی شمشیرِ جگردار کے سامنے لرزہ براندام ہوتی ہیں. اس کی قوتِ بازو حکومتِ خداوندی کے تمکن و بقا کی ضامن ہوتی ہے وہ قوانینِ خداوندی کا عملاً نفاذ کرتا ہے. یہ وہ "مجدد" ہوتا ہے جس کی قوتِ ایمانی اور بصیرتِ فرقانی سے محمدؐ رسول اللہ والذین معہٗ کے عہدِ سعادت مہد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے. یہ وہ "مسیحا" ہوتا ہے جس کے اعجازِ نفس سے مُردہ قوم میں از سرِ نو زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے یہ وہ "مہدی" ہوتا ہے جو خود اللہ کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر ساری دنیا کے لئے ہدایت و رشادت کا نمونہ بن جاتا ہے. یہی وہ مرکز ہوتا ہے جس کے گرد ایسی جماعت کا دائرہ کھینچ جاتا ہے جس کے متعلق فرمایا کہ

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ...... (۵/۵۴)

اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے. وہ مومنوں کے سامنے جھکے ہوئے اور مخالفین کے مقابل میں غالب ہوتے ہیں. اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے.

اس کے برعکس دیکھئے کہ آپ کو اس عہد کی مجددیت، مہدویت، مسیحیت اور نبوت سے.

محکومی و مسکینی و نومیدیٔ جاوید

کے سوا اور کیا ملا؟ یہ آنے والا آیا. آ کر چلا بھی گیا اور قوم کی حالت یہ کہ

وہی نالۂ سحری رہا، وہی آہِ نیم شبی رہی

کچھ ملا تو ایک طرف، اس کی خاکسترِ پارینہ میں کہیں کوئی دبی ہوئی چنگاری تھی تو وہ بھی اس کے نفسِ مرگ آور کی "برکت" سے بجھ بجھا گئی. یہ فرق ہے ایک زندہ قوم کے ابناء اور مُردوں کی بستی کی لاشوں میں.

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام — ہے اسکی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز
اس کے نفسِ گرم کی تاثیر ہے ایسی — ہو جاتی ہے خاکِ چمنستاں شرر آمیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار — کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سحر خیز
اس مردِ خود آگاہ و خدامست کی صحبت — دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

قوم کے دل میں جرأت و بسالت کے حوصلے بلند کرتا تو ایک طرف خود اس کی اپنی حالت یہ تھی کہ جب مرزا صاحب نے اپنے مخالفین کے متعلق ہلاکت آمیز پیش گوئیاں شائع کرنا شروع کر دیں تو مخالفین نے ان کے خلاف ضابطہ فوجداری دفعہ ۱۰۷ کے تحت ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اس مقدمہ میں انہوں نے ایک اقرار نامہ داخل کر کے معافی مانگ لی۔ اقرار نامہ کے الفاظ یہ تھے:

میں مرزا غلام احمد قادیانی بحضور خداوند تعالیٰ باقرار صالح اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ:

۱. میں ایسی پیش گوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کئے جا سکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو ہو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ موردِ عتابِ الٰہی ہو گا۔

۲. میں خدا کے پاس ایسی اپیل (فریاد و درخواست) کرنے سے بھی اجتناب کروں گا کہ وہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو یا ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلیل کرنے سے یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ موردِ عتابِ الٰہی ہے، یہ ظاہر کرے کہ مذہبی مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔

۳. میں کسی چیز کو الہام بتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہوں گا جس کا یہ منشاء ہو یا جو ایسا منشاء رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلت اٹھائے گا یا موردِ عتابِ الٰہی ہو گا......

۴. جہاں تک میرے احاطہ طاقت میں ہے میں تمام اشخاص کو جن پر کچھ میرا اثر یا اختیار ہے ترغیب دوں گا کہ وہ بھی بجائے خود اس طریق پر عمل کریں جس طریق پر کاربند ہونے کا میں نے دفعہ ۱ تا ۵ میں اقرار کیا ہے۔

العبد	گواہ
مرزا غلام احمد بقلم خود	خواجہ کمال الدین بی اے، ایل ایل بی

دستخط: جے۔ ایم۔ ڈوئی، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ ۲۴۔ فروری ۱۸۹۹ء سوا گر مسٹر ڈوئی صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور، کے روبرو میں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں ان کو (مولوی

محمد حسین صاحب بٹالوی کو) کافر نہیں کہوں گا تو واقعی میرا یہی مذہب ہے کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا۔ (تریاق القلوب صلا۔ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

عدالت سے یوں چھٹکارا حاصل کرالیا' اور اس کے بعد ساری عمر مسلمانوں کو کافر قرار دیتے رہے! ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد اس موضوع پر کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہیں۔

نگہ باز گشت

اس طویل سفر میں ہم نے جو راستہ طے کیا ہے، بہتر ہے کہ اس پر ایک نگہ باز گشت ڈال لی جائے۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ حضور نبی اکرمؐ کے بعد، نبوت کے امکان کا تصور بھی انسان کو امت محمدیہ کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نبوت کی مختلف قسمیں نہیں ہوتیں۔ نبوت کی ایک ہی قسم ہے اور وہی اصلی اور حقیقی نبوت ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی تھی۔ نبوت کے معنی ہیں خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہونا۔ اس علم کو وحی یا اس نبی کی کتاب کہا جاتا تھا۔ یہ وحی اپنی آخری، مکمل اور غیر متبدل شکل میں قرآن کی دفتین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دی گئی۔ لہذا نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب اگر کوئی شخص قرآن کریم کے حکم کو منسوخ کرنے کا دعوےٰ کرتا ہے تو وہ مدعیٔ نبوت ہے۔ لہذا جھوٹا اور خدا کے خلاف افترا کرنے والا۔ بروزی، ظلی، تدریجی، اتباعی نبوت کا تصور بھی خلاف قرآن ہے۔ اور مسیح موعود، مجدد اور مہدی کا ذکر تک بھی قرآن میں نہیں۔ ختم نبوت کے بعد، رسالت محمدیہ کا عملی نفاذ قرآنی نظام حکومت کی شکل میں ہو گا۔ اسی نظام کی وارث اُمت محمدیہ خیر الامم ہے۔ جب تک وہ نظام قائم رہا' اُمت میں کوئی مدعیٔ نبوت پیدا نہ ہوا۔ اب اس قسم کے مدعی اس لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ اُمت میں وہ نظام باقی نہیں رہا۔ ان مدعیوں کے دعاوی کے ابطال کی عملی صورت یہی ہے کہ دنیا میں پھر سے دین کا نظام قائم کر دیا جائے۔ "آنے والے" کا انتظار مایوسی کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ جب نظام خداوندی کے قیام سے مایوسی ختم ہو جائے گی، تو پھر اُمت کو کسی نئے ظہور کی طلب و جستجو نہیں رہے گی۔ اس وقت ایران کے باب اور بہاء اللہ کی سمجھ میں بھی یہ بات آجائے گی کہ قرآن، ریلوے ٹائم ٹیبل کی طرح منسوخ العمل نہیں ہو گیا۔ بلکہ وہ انسانی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے

کے لئے ابدی اصولِ حیات اپنے اندر رکھتا ہے' اور اس وقت قادیانی نبوت یا مجددیت پر بھی یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ رسالتِ محمدیہ اس طرح ابدیت درکنار ہے کہ نہ اس کا دَور کبھی ختم ہو سکتا ہے اور نہ ہی مرورِ زمانہ سے وہ ایسی بوسیدہ ہو جاتی ہے کہ اسے تجدید کی ضرورت لاحق ہو. اس وقت دنیا دیکھ لے گی کہ یہ رسالت اس شجرِ طیب کی طرح بہار خزاں نا آشنا کی مظہر ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا (۱۳/۳۵) جس کے سائے بھی ہمیشہ گھنے اور ٹھنڈے رہتے ہیں اور جس کی شاخیں بھی ہر موسم میں پھلوں سے جھکی ہوئی. جھوٹے مدعی' قوموں کی زبوں حالی کی خاک سے پیدا ہوتے اور مایوسی کی فضا میں پروان چڑھتے ہیں. زندہ قومیں اپنے دعاوی کی صداقت کی آپ دلیل ہوتی ہیں. اور رسالتِ محمدیہ میں' جو قرآن ہی کا دوسرا نام ہے' قیامت تک یہ قوت موجود ہے کہ وہ ہر اس قوم کو زندگی عطا کر دے جو زندہ رہنے کی تمنی ہو. قرآن کا پیغام' اپنی حقیقت سے نا آشنا مسلمان کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ؎

وائے نادانی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا ۔۔۔ مے بھی تو' مینا بھی تو' ساقی بھی تو' محفل بھی تو

بے خبر تو جوہر آئینۂ ایام ہے ۔۔۔ تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے[1]

لیکن یہ (مسلمان) "زمانے میں خدا کا آخری پیغام" اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کا ایمان ہو کہ خدا سے براہِ راست علم حاصل ہونے کا امکان' حضور ختم المرسلین کی ذاتِ اقدس پر ختم ہو گیا. اور قرآن کریم قیامت تک تمام نوعِ انسان کے لئے غیر متبدل اور مکمل ضابطۂ حیات ہے. اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہو سکتا. اسی کو ختمِ نبوت کہتے ہیں.

والسلام

پرویز

---

[1] اُو رُسُل را ختم و ما اقوام را (اقبالؒ)

تکملہ

(طبع اوّل)

کتاب آپ نے پڑھ لی۔ جیسا کہ آپ نے "پیش لفظ" میں دیکھ لیا ہوگا اس کا مسودہ اپریل ۱۹۷۴ء میں مکمل ہوگیا تھا اور کتابت شدہ کاپیاں اواخر جون میں پریس میں جا چکی تھیں، لیکن "احمدیوں" سے متعلق لٹریچر پر عاید شدہ پابندیوں کی وجہ سے اس کی طباعت روک دی گئی۔ ان پابندیوں کے اُٹھ جانے کے بعد یہ شائع ہوسکی۔ اس دوران میں حکومتِ پاکستان نے (۷، ستمبر ۱۹۷۴ء) کو فیصلہ دیا کہ

> جو شخص اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا کہ نبوت سلسلۂ انبیاء کرام کی آخری کڑی محمدؐ رسول اللہ کی ذاتِ اقدس پر مطلقاً اور غیر مشروط طور پر ختم ہوگئی، یا جو شخص رسول اللہؐ کے بعد نبی ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے خواہ وہ اس لفظ کو کوئی معنی پہنائے یا کسی رنگ میں مدعیٔ نبوت ہو، وہ اور جو شخص ایسے مدعیٔ نبوت کو نبی یا مذہبی ریفارمر مانے، آئین اور قانون کی رُو سے مسلمان نہیں۔

نیز یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ "احمدیوں" کی دونوں جماعتوں (قادیانی اور لاہوری) کو غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں شامل کیا جائے۔

آپ نے متنِ کتاب میں دیکھا ہوگا کہ میں نے مختلف مقامات پر یہی مشورہ دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ مسئلہ علماء کے فتووں سے حل نہیں ہوگا، حکومت کے قانون نے اسے حل کر دیا۔ للہ الحمد کہ جس حقیقت نے ۱۹۳۵ء میں میرے ایک مقالہ کی بناء پر عدالت (بہاولنگر) کے فیصلہ کی شکل اختیار کی تھی، قریب چالیس سال کے بعد، وہ آئینِ پاکستان کا حصہ بن گئی۔ یہ میری زندگی کا مشن تھا جس کی تکمیل پر میں بدرگاہِ ربّ العزت جتنے سجدہائے تشکر بھی ادا کروں، کم ہیں۔

میرے ان جذباتِ انبساط و تشکر کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے "احمدی" حضرات سے کوئی چڑ تھی۔ یا یہ میرے ذاتی وقار کا سوال تھا جس کی کامیابی پر مجھے اس قدر خوشی ہوئی ہے۔ اسلام' خدا کا آخری اور مکمل دین اسی صورت میں قرار پاسکتا ہے کہ نبوتِ محمدیہ کو' تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک قائم و دائم تسلیم کیا جائے۔ حضورؐ کے بعد' خدا کی طرف سے وحی پانے کا دعوے' خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے اسلام کی اس بنیاد اور نبوتِ محمدیہ کی اس انفرادیت اور اختصاص کو ختم کر دیتا ہے۔ دین کی اساس کا استحکام میرے ایمان کا جزو' اور تحفظ ناموسِ رسالتؐ' میرے عشق کا تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچپن سے لے کر اس وقت تک' میری زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے لئے وقف رہا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل پر میرے جذباتِ انبساط و تشکر کی بنیادی وجہ یہ ہے۔

۲۔ اس کی دوسری وجہ' اور بھی ہے۔ اسلام میں' دنیاوی امور اور مذہبی امور میں ثنویت اور مغائرت نہیں۔ یہ تمام امور اسلامی مملکت کے دائرۂ اقتدار کے اندر ہوتے ہیں۔ اس سے پیشوائیت (PRIEST HOOD) کا تصور اور وجود ختم ہو جاتا ہے۔ صدرِ اول میں (جب اسلامی مملکت قائم تھی) آپ کو مذہبی پیشوائیت کا نام و نشان تک نہیں ملے گا۔ جب اسلامی مملکت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تو مذہبی پیشوائیت پھر وجود میں آگئی اور ثنویت قائم ہو گئی ــــــ دنیاوی امور' حکومت نے خود سنبھال لئے اور مذہبی امور علماء کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ میری زندگی کا دوسرا "مشن" خلافت علیٰ منہاجِ رسالتؐ' کا احیاء' یعنی قرآنی مملکت کا بارِ دگر قیام ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر میں نے تحریکِ پاکستان میں امکان بھر حصہ لیا' اور اسی کے لئے میں تشکیلِ پاکستان کے بعد' آج تک کوشاں ہوں۔ مولوی صاحبان کی طرف سے میری جو اس قدر مخالفت ہو رہی ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآنی مملکت میں مذہبی پیشوائیت کا وجود نہیں رہتا۔

میں ان حضرات سے کہتا ہوں کہ مسئلہ "احمدیت" کا حل آپ کے مناظروں یا فتووں سے نہیں ہو سکے گا۔ اس کا حل حکومت کے قانون کی رُو سے ہو سکے گا۔ آپ اس کے لئے حکومت سے کہیے۔ لیکن یہ اس کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ اس مسئلہ کا تعلق اعتقادات (کفر و اسلام) سے ہے' اور اعتقادات کے متعلق فیصلہ کرنے کے مجاز ہم ہی ہیں۔ حکومت نہیں۔ حکومت کا فیصلہ ہمارے حیطۂ اقتدار میں مداخلت کے مرادف ہوگا۔ لیکن زمانے کے تقاضوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ اس مسئلہ کے فیصلہ کے لئے انہیں حکومت سے کہنا پڑا' اور نوّے برس سے جو عقیدہ لاینحل چلا آرہا تھا' حکومت کے

ایک قانون نے اس کا حتمی فیصلہ کر دیا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا اور جس طرح ہوا وہ اس ثنویت کی بنیاد دل میں تزلزل پیدا کر دینے کے لئے پہلا اور نہایت اہم اور مؤثر اقدام ہے۔ جسے یہ حضرات صدیوں سے مستحکم کئے چلے آ رہے تھے۔ اس سے ایک ایسی نظیر قائم ہو گئی ہے جس سے مملکتِ پاکستان کے اسلامی بننے کی راہیں ہموار ہوتی چلی جائیں گی۔ بشرطیکہ وہ جملہ (دنیاوی اور "مذہبی") امور کے فیصلے قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوتے اسی جرأت و تدبر سے کرتی جائے۔ یہ بھی میرے پیشِ نظر نصب العین کی طرف ایک نہایت مبارک اقدام ہے اور میرے مزید سجدہ ہائے تشکر و امتنان کا جذبہ محرکہ۔

۲۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی آپ کے سامنے آ گئی ہو گی کہ حکومت کا یہ فیصلہ کوئی نیا فیصلہ نہیں۔ مرزا صاحب کے دعوے کی بنیادی اینٹ مسلمانوں سے علیحدگی اور اپنی جداگانہ "امت" کی تشکیل پر رکھی گئی تھی۔ حکومت کے حالیہ فیصلہ نے صرف اس امرِ واقعہ کو آئینی حیثیت دے دی ہے اور ایسا کرنا آئینی طور پر ضروری بھی تھا۔ جس مملکت کی بنیاد اسلام پر ہو مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز و تفریق اس کی قانونی ضرورت اور آئینی فریضہ ہوتا ہے۔ "احمدی حضرات" نے اس فیصلہ سے کچھ کھویا بھی نہیں۔ مروجہ آئین پاکستان کی رُو سے (صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم کے سوا) کسی معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم میں تخصیص و تمیز نہیں کی گئی۔ اور غیر مسلم اس اعتبار سے بہتر پوزیشن میں ہیں کہ اقلیت ہونے کی بنا پر انہیں ہر قسم کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں انہیں کسی قسم کا خطرہ بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ جس امن و امان سے یہاں دوسری غیر مسلم اقلیتیں رہتی ہیں، اسی طرح سے یہ بھی رہیں گے۔ غیر مسلموں کو تو "اہل الذمہ" کہا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اسلامی مملکت ان کی ہر طرح کی حفاظت کا ذمہ لیتی ہے ــــ جان، مال، عزت آبرو، مذہبی شعائر، سب کی حفاظت۔

۴۔ آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہو گا کہ رسول اللہ کے بعد باب نبوت کے کھل جانے کا بنیادی سبب "ایک آنے والے کے انتظار" کا عقیدہ ہے۔ ختمِ نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے آنے والوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ جس نے آخری بار آنا تھا، چودہ سو سال ہوئے وہ آ گیا۔ اب خدا کی طرف سے کوئی نہیں آئے گا۔ نہ ہی اب کوئی خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل کر سکے گا۔ خدا نے جو کچھ نوعِ انسان سے کہنا تھا، اسے اس نے آخری مرتبہ کہہ دیا، اور اب وہ قرآن مجید کے اندر مکمل شکل میں محفوظ ہے۔ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ (۶/۱۱۵) کے معنی یہی ہیں کہ خدا نے جو باتیں (کلام) انسانوں سے کرنی تھیں، ان کا اتمام ہو گیا۔ اب کوئی ایسی

بات باقی نہیں رہی جسے اس نے انسانوں سے کرنا ہو۔ لہٰذا خدا کے ساتھ مخاطبات و مکالمات کا امکان تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ کے منافی اور عقیدہ ختمِ نبوت سے متناقض ہے۔ "آنے والے" کا نظریہ یکسر غیر قرآنی ہے اور دوسروں کے ہاں سے مستعار لیا ہوا۔ دُنیا کے ہر مذہب میں "آنے والے" کا عقیدہ تھا اور اسلام کو ان پر اس لحاظ سے بھی برتری حاصل تھی کہ اس میں "آنے والے" کا عقیدہ نہیں تھا جو اس کے مکمل ہونے کی دلیل تھی۔ ان اہلِ مذاہب نے اسلام کی اس برتری کو ختم کرنے کے لئے وضعی روایات کے ذریعے "آنے والے" کا عقیدہ ہمارے ہاں بھی رائج کر دیا، اور اسے اس قدر اہمیت دی کہ وہ کفر و اسلام کا معیار قرار پا گیا۔ جب تک یہ عقیدہ ہم میں باقی رہے گا، جھوٹے مدّعی پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ ہم اپنے ہر عقیدہ اور نظریہ کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار خدا کی کتاب (قرآن مجید) کو قرار دیں۔ اس سے ہمیشہ کے لئے یہ حقیقت ثبت ہو جائے گی کہ

اُو رُسُل را ختم و ما اقوام را

والسّلام

پرویز

۲۰ اکتوبر ۱۹۷۴ء